اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

نورِ محمدی

یعنی

قطبِ عالم حضرت میانجیو نور محمد صاحب علوی جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ
کی مختصر سوانح حیات و کرامات

کا مجموعہ

مؤلفہ
نسیم احمد علوی جھنجھانوی

ناشر
ادارہ مدرسہ نور محمدیہ۔ قصبہ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر۔ (یو۔ پی)

محبوب المطابع برقی پریس دہلی

ہدیۂ تشکر و امتنان

میں اُن تمام حضرات کی خدمت میں اپنا دلی شکریہ پیش کرتا ہوں جنہوں نے مجھے اس کتاب کی ترتیب و تسوید کے سلسلہ میں اپنے گراں قدر مشوروں سے نوازا خاص طور پر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند و حضرت مولانا محمد ذکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور و حضرت قاضی عبدالولی صاحب منگلوری وغیرہ اور اپنے برادر عزیز تنویر احمد علوی ایم۔اے کا جنہوں نے اس کے مسودات کی صحت و صفائی میں میری بڑی مدد کی۔

اس کے ساتھ ہی ان تمام اہل خیر حضرات کا عموماً اور حضرت میانجیو رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین و معتقدین کا خصوصاً منت پذیر ہوں جن کی امداد و اعانت اور عطیات و عنایات سے اب تک مدرسہ نور محمدیہ قصبہ جھنجھانہ (جو حضرت میانجیو کی یادگار ہے) باقاعدہ چل رہا ہے، اور جس کی جانب سے یہ کتاب شائع کی جارہی ہے۔

نسیم احمد علوی

مآخذات

شمائم امدادیہ

ارواحِ ثلاثہ

ملفوظات حکیم الامتہ رح تھانوی

الافاضات الیومیہ

انوار محمدی

دفتر ہفتم مثنوی مولانا روم (مصنفہ شیخ محمد صاحب محدث تھانوی رح)

انوار العارفین

امثالِ عبرت

نقشِ حیات (جلد دوم)

مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا۔

تذکرۃ الرشید

کراماتِ امدادیہ

ترتیب

ہدیۂ تشکر و امتنان	۲
ماخذات	۳
حرفِ اوّل	۵
حضرت کا مولد مقدس	۲۰
حیاتِ طیبہ	۳۱
بیعت و بیعتِ جہادی	۳۹
حیات باکرامات	۴۹
مزارِ مقدس	۷۷
حضرت کے مرید و خلفاء	۸۶
خراجِ عقیدت	۸۷
جلوہ گاہِ نورِ محمدی	۸۸
متبرک خطوط	۹۷

حرفِ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحمدُ للہ وَالمنت :- کہ اس فقیرِ حقیر کی یہ دیرینہ آرزو پوری ہوئی اور حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر سوانح حیات اور کوائفِ کرامات یکجا ایک باقاعدہ کتاب کی شکل میں اشاعت پذیر ہوئے۔

یہ اہم کام مجھ ایسے ہیچمدان و ہیچ میرز کے ہاتھوں انجام پایا۔ یہ بات میرے لئے انتہائی فخر اور شادمانی کا باعث ہے۔ مگر اسی کے ساتھ مجھے اس امر کا پوری طرح احساس اور اعتراف ہے کہ یہ چھوٹا سا رسالہ یا کتابچہ جو حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات کے ۱۱ برس بعد شائع ہو رہا ہے۔ کسی طرح آپ کے نام نامی و ذاتِ گرامی سے نسبت کے شایانِ شان نہیں۔

آپ کی بلند پایہ شخصیت اور ملتِ بیضا پر آپ اور آپ کے سلسلہ کے احسانات عظیم کا تقاضا تو یہ تھا کہ آپ کی حیاتِ طیبہ اور اسوۂ صالحہ پر کوئی ایسی عہد آفریں

کتاب لکھی جاتی جیسی کہ خود آپ کی ذات والا صفات جو اسوۂ عالیۂ محمدی کے اوصاف
جمیلہ اور اخلاق حمیدہ کی مظہر تھی۔ جس میں تقدس و تصوف اور شریعت و طریقت کے
عمدہ ترین عناصر اور اجزائے عالیہ کا خمیر ہوا تھا --- ان امور کے پیش نظر یہ اہم کام
کسی ایسے جلیل القدر شخص کے ہاتھوں انجام پاتا جو خود صاحب حال و قال اور اہل قلب و
قلم ہوتا۔ ظاہر ہے کہ حضرت میاں جیو رح کے حلقۂ مریدین و متعلقین اور سلسلۂ متوسلین
و متبعین میں ایسے باکمال حضرات اور ایسے جامع فضائل اشخاص کی نہ پہلے کوئی کمی تھی
نہ اب ہے۔ اور اب سے پچاس ساٹھ برس پہلے تو ایسی بہت سی ہستیاں ذی حیات
تھیں جن کو نہ صرف یہ کہ حضرت کے حالات حیات کا بخوبی علم تھا بلکہ انہوں نے
حضرت والا کو بچشم خود بہت قریب سے دیکھا بھی تھا۔ مگر افسوس ہے کہ نہ اس
وقت کوئی ایسا شخص اس طرف توجہ دے سکا۔ نہ اب تک کسی ایسی جامع شخصیت
نے اس کام کا بیڑا اٹھایا جس کے پاس حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کے حالات
زندگی کی جمع و ترتیب کے لئے وسائل عقل و نقل کی فراوانی ہو۔ جو اپنے علم و فضل
کے ساتھ کتاب و سنت کے فوائد و عوائد کے سلسلہ میں وسعت نظر بھی رکھتا ہو اور
تصوف و طریقت کے مشکل مسائل کو بھی ان کی تمام گہرائیوں اور گیرائیوں کے
ساتھ جانتا اور سمجھتا ہو۔ نیز اپنی زبان اور اپنے قلم میں یہ قدرت رکھتا ہو کہ دوسروں
کو بھی ان امور و اسرار سے کما حقہ واقفیت بہم پہنچا سکے۔ حضرت کے خلیفۃ الاعظم
حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی و مدنی رح و حضرت مولانا شیخ محمد صاحب محدث

تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متقدرہ متبعین میں عالم ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ و حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ایسی جامع الکمالات ہستیاں اور شخصیتیں تھیں۔ ان بزرگوں کے علاوہ حضرت میاں جیو رح کے سلسلۂ منوّرہ میں ایسے صدہا آفتاب علم الٰہی اور ماہتاب شریعت و طریقت ہیں جن میں سے ہر ایک اس کارِ عظیم کو نہایت آسانی کے ساتھ بحسن و خوبی انجام دے سکتا تھا۔ لیکن اگر ایک طرف ان بزرگوں نے حضرت والا سے انتہائی عقیدت و قربت کے باوصف صرف اتنا ہی مناسب اور اسی کو کافی ووافی سمجھا کہ وہ حضرت اقدس کے فضل و کمال کے اعتراف اور آپ سے اپنی روحانی وابستگی اور تعلق خاطر کے اظہار کے لئے اپنے تذکروں اور تبصروں میں، ملفوظات و مواعظ میں ضروری مواقع پر آپ کے فیوض اور کشف و کرامات کا حوالہ دیا ہے۔ تو دوسری طرف آپ کے منتسلین نے آپ کے فرمودات اور رشد و ہدایات کو اپنے کانوں سے سنا اور دل میں جگہ دی مگر اس تبرک میں اپنی جانب سے تلاش و جستجو کے بعد کسی اور اضافہ کو سوء ادب خیال کیا۔ بہرنوع ان کے لئے تو اتنا ہی بہت کچھ تھا۔ کیونکہ وہاں تو یہ کیفیت تھی ؎

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

وہ تو فنا فی الشیخ تھے۔ ان کے یہاں تو موت و حیات کے پردے درمیان سے

اُٹھ چکے تھے، وہ تو مطالعۂ ذات اور مشاہدۂ صفات میں ہمہ وقت مستغرق رہتے تھے۔ انہیں اس کی کیا خبر تھی کہ کبھی حضرت کے "دل دادگان" میں وہ "دور اُفتادگان" بھی ہوں گے جو حضرت کو دل کی آنکھوں سے دیکھنے کے بجائے ظاہری آنکھوں سے کتابی شکل میں دیکھ لینا ہی اپنے لئے سعادت و نجات کا ذریعہ سمجھیں گے۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے غالب نے کیا خوب کہا ہے ؎

بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا
بات کرتے کہ میں لب تشنۂ تقریر بھی تھا

اِن لب تشنگانِ تقریر کی پیاس ایسی حالت میں کیسے بجھتی کہ جو کچھ کہا گیا اول تو وہ "حدیثِ دیگراں" کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ دوسرے وہ بھی کہیں یک جا و منضبط صورت میں نہیں، کوئی حکایت کہیں ہے تو کوئی روایت کہیں۔ دو چار لفظ یہاں ہیں تو دو چار سطریں وہاں۔ اور یہ سب جن کتب و رسائل میں بکھرا پڑا ہے وہ خود زمانہ کی ناقدر شناسی اور دل دادگان معرفت و طریقت کے فقدان کے سبب "جنسِ کم یاب" بلکہ "شئے نایاب" ہوتا جا رہا ہے۔

ایسے نامساعد حالات میں ان گلہائے معانی کو چننا اور منتشر اجزا کو یک جا کر دینا ایک کارِ دشوار نظر آیا۔ جس کا احساس مجھے اس وقت ہوا جب اس مہم کو سر کرنے کے لئے میں نے پہلا قدم اٹھایا۔

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار
گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

اپنی علمی تہی دامنی کو دیکھتے ہوئے جیساکہ میں ابھی کہہ چکا ہوں حضرت میاںجیو رحمۃ اللہ علیہ کے پاکیزہ حالات اور مقدس زندگی کو بالتفصیل اور جامع صورت میں قلم بند کرنا تو اُن اہل علم اور شیفتگان معرفت کا حصہ تھا اور ہے جن کے دل کے آئینے میں تصویر یار جلوہ گر ہو۔ اس لیئے مجھ ایسے کم مایہ اور تہی دل کو جو طلبِ نارسا بھی رکھتا ہے اور دست نارسا بھی۔ بدرجۂ مجبوری چند "خوشہ چینی" پر قناعت کرنا پڑی۔

بہر حال اس محرومیٔ قسمت کا گلہ کس سے کیا جائے کہ ہمارے ان بزرگوں کے مواعظ اور ملفوظات اور ان سے متعلق تصانیف اور تالیفات میں حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کی بعض کرامتوں کا تذکرہ تو مل جاتا ہے مگر آپ کی نورانی زندگی کے مفصل تو کیا مختصر حالات بھی کہیں نہیں ملتے۔ جن سے آپ کی سوانح حیات مرتب کی جا سکتی۔ مثلاً آپ کا بچپن کیسے گزرا۔ حفظ قرآن پاک آپ نے کس سے کیا اور کس عمر میں کیا۔ فارسی کی تعلیم آپ نے اپنے وطن میں کس سے حاصل کی۔ حصولِ علم کی غرض سے دہلی کا سفر آپ نے کس عمر میں اختیار کیا۔ دہلی کے مشہور عربی مدرسہ میں آپ داخل ہوئے تو آپ نے براہِ راست شاہ عبدالعزیز صاحبؒ قدس سرہٗ العزیز کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا یا شاہ صاحبؒ کے کسی دوسرے بھائی کے سامنے۔ دہلی کے زمانۂ قیام میں آپ کہاں رہتے تھے۔ اور کن کن طلبا و معلمین اور بزرگانِ دین سے آپ کے خصوصی تعلقات تھے۔ بحیثیت ایک طالب علم کے اس وقت آپ کو آپ کے اساتذہ کس نظر سے دیکھتے تھے۔ دہلی کے قیام کی مدت کیا ہے۔ فارسی

فارسی کی تکمیل آپ نے دہلی ہی میں کی یا اس سے پہلے ہی کر چکے تھے۔

آپ نے عربی کہاں تک پڑھی۔ فقہ اور حدیث کے علاوہ دیگر علوم متداولہ سے بھی آپ کو تھوڑی بہت واقفیت تھی یا نہیں۔ یہ اور اسی قسم کے آپ کی زندگی کے دوسرے پہلو ہیں جن پر ہماری لاعلمی اور ناواقفیت کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اسی طرح جب آپ نے راہِ سلوک و طریقت میں قدم رکھا تو سب سے پہلے کس کو اپنا راہ بر بنایا؟ آپ کے پیر و مرشد شاہ عبدالرحیم صاحبؒ ولائتی تھے۔ ان کے ہاتھ پر بیعت ہونے سے پہلے بھی آپ نے کسی سے روحانی و باطنی فیوض حاصل کیے تھے یا نہیں۔

شاہ عبدالرحیم ولائتی رح سے مرید ہونے کے بعد آپ کبھی امروہہ شریف بھی تشریف لے گئے یا نہیں جہاں آپ کے دادا پیر شاہ عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ اور مزار مقدس ہے۔ دہلی جیسے مرکزِ روحانیت میں رہتے ہوئے آپ کو شاہ عبدالرحیم رح سے کیسے اور کیوں عقیدت پیدا ہوئی۔ نیز شاہ صاحب موصوف رح سے پہلی ملاقات دہلی ہی میں ہوئی یا کہیں اور۔ خلافت آپ کو کب اور کس عمر میں ملی۔ سب سے پہلے آپ کی مریدی کا شرف کسے حاصل ہوا۔ آپ کے افرادِ خاندانی میں سے کوئی آپ کا مرید تھا یا نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کی معلومات ان کتب میں کہیں نہیں ملتیں جن سے میں نے استفادہ کیا ہے۔ اور جن کے اقتباسات اس مختصر سے رسالہ کی بنیاد ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسی

قلمی بیاض یا مطبوعہ کتاب کسی کتب خانہ میں موجود ہو یا کسی شخص کی ذاتی ملکیت میں ہو۔ جس میں حضرت میاں جیو رح کی مقدس زندگی کے مفصل حالات درج ہوں۔ مگر انتہائی تلاش و جستجو کے باوجود کوئی ایسی کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

کاش ایسا ہو کہ یہ تحریر دوسروں کے لئے وجہ تحریک بن جائے اور ہمارے اکابر علماء و فضلاء صوفیا اور صلحا میں سے کوئی اس "نقش ناتمام کو" مادہ تمام بنانے کے قدم و قلم کو جنبش میں لائے۔ یا کم سے کم اس نیک کام کی تکمیل کے لئے اپنی معلومات کی بنا پر میری غلطیوں سے مجھے مطلع کرے تاکہ دوسرے ایڈیشن میں اس کمی کو پورا کیا جاسکے۔ بہر حال اس کا امکان قوی موجود ہے کہ حضرت میاں جیو رح کے حالاتِ زندگی شائع کرنے کے سلسلہ میں میری رسائی جن ماخذات تک ہو سکی ہے ان کے علاوہ اور ان سے زیادہ واضح اور مفصل مواد علم سینہ اور علم سفینہ کی صورت میں محفوظ ہو اور وہ سب کچھ ہو جس کی ضرورت اس کتاب کو، مجھے اور تمام دنیائے اسلام کو ہے

بہر حال ان اوراق میں جو کچھ پیش کرنے کی جرأت میں کر رہا ہوں اس میں دادِ تحقیق دینے کی صلاحیت تو مجھ میں کہاں سے آتی جبکہ میرا مبلغ علم بہت محدود ہے اور تصنیف و تالیف کا مجھے کوئی تجربہ نہیں۔ تاہم میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس معاملہ میں میری جانب سے دانستہ یا نادانستہ کوئی کوتاہی یا فرو گذاشت نہیں ہوئی حضرت میاں جیو رح کی کرامات کے سلسلہ میں جو کچھ میں نے بیان کیا ہے وہ بزرگان سلف و خلف کی کتابوں سے لیا ہے۔ جن کی صداقت و صحت میں کسی قسم کے شک اور شبہ

کی گنجائش نہیں۔ اس کے علاوہ جو کچھ زبانی سنا ہے وہ بھی ایسے افراد و اشخاص کے منہ سے سنا ہے جن کی زبان کو صدق ترجمان سمجھا جاتا ہے۔

پھر بھی میں حضرت میاں جیو رح کی روح پر فتوح سے معذرت خواہ ہوں اور یہ امید رکھتا ہوں ؎

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چُن لیے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

اس سے پیشتر کہ میں ان چند سطور کو ختم کروں حضرت حکیم الامۃ رح کی زبان حقیقت ترجمان سے کرامت کی تعریف و تشریح آپ کو اور سنوا دوں۔ جاننا چاہیے کہ خلاصۂ کلامِ محققین کا اس باب میں یہ ہے کہ کرامت اس کو کہتے ہیں کہ کسی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی متبع کامل سے صادر ہو اور قانونِ عادت سے خارج ہو۔ پس اگر وہ امر خلاف عادت نہ ہو تو وہ کرامت نہیں اور وہ کسی نبی صلعم کا متبع اپنے کو نہیں کہتا تو وہ بھی کرامت نہیں ہے۔ جیسے جوگیوں، ساحروں وغیرہ سے بعض امور ایسے سرزد ہو جاتے ہیں۔ اور اگر وہ شخص مدعی اتباع کا ہے مگر واقعتاً متبع نہیں ہے خواہ اصول میں اختلاف کرتا ہو جیسے اہلِ بدعت یا فروع میں جیسے فاسق وفاجر۔ تو وہ بھی دائرۂ کرامت سے خارج ہے۔ پس کرامت اس وقت کہلائے گی جب کہ اس کا محل سدود مومن متبع سنت کامل التقویٰ ہو۔ اور جاننا چاہیے کہ کرامت کے لئے نہ اس ولی کو اس کا علم ہونا ضروری ہے نہ اس کے قصد کا متعلق ہونا ضروری

ہے اور احیاناً علم ہوتا ہے قصد نہیں ہوتا اور کبھی علم اور قصد دونوں امر ہوتے ہیں۔
اس بنا پر کرامت کی تین قسمیں ہوئیں ایک قسم وہ جس کا علم بھی ہو اور قصد بھی جیسے نیل کا جاری ہونا حضرت عمر بن الخطاب رضؓ کے زبان مبارک سے اور دوسری وہ جہاں علم ہو اور قصد نہ ہو جیسے حضرت مریمؑ کے پاس بے فصل میوؤں کا آجانا تیسری وہ جہاں نہ علم ہو نہ قصد ہو جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا مہمانوں کے ساتھ کھانا کھانا اور کھانا دوچند ہو جانا چنانچہ خود حضرت صدیق اکبر کو تعجب ہوا جس سے ان کے علم اور قصد کا پہلے سے متعلق نہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور ایک احتمال حصر عقلی میں سے خلاف واقع ہے کہ قصد ہو اور علم نہ ہو کیونکہ بدون علم قصد ممکن نہیں اور لفظ تصرف و ہمت کا صرف قسم اول پر اطلاق کیا جاتا ہے قسم ثانی و ثالث کو تصرف نہیں کہتے البتہ برکت و کرامت کہلاتی ہے۔ ایک اور اعتبار سے کرامت کی دو قسمیں ہیں ایک حسی ایک معنوی عوام لوگ اکثر حسی کو جانتے ہیں اور اسی کو کمال شمار کرتے ہیں جیسے مافی الضمیر پر مطلع ہو جانا پانی پر چلنا ہوا پر اڑنا وغیرہ۔ اور خواص کے نزدیک بڑا کمال کرامت معنوی ہے یعنی شریعت پر مستقیم رہنا مکارم اخلاق کا خوگر ہونا۔ نیک کاموں کا پابندی و بے تکلفی سے صادر ہونا حسد و کینہ و دیگر صفات مذمومہ سے قلب کا طاہر ہو جانا کوئی سانس غفلت میں نہ گذرنا۔ یہ وہ کرامت ہے جس میں استدراج کا احتمال نہیں۔
اور جاننا چاہیئے کہ بعض علماء نے کرامت کی قوت ایک حد خاص تک معین کی ہے اور جو امور نہایت عظیم ہیں جیسے بدون والد کے اولاد پیدا ہونا یا کسی جماد کا حیوان بن جانا یا ملائکہ کا باتیں کرنا۔ اس کا صدور کرامت سے ممتنع قرار دیا ہے مگر محققین کے نزدیک کوئی حد نہیں کیونکہ وہ فعل پیدا کیا ہوا اللہ تعالیٰ کا ہے صرف ولی کے ہاتھ پر اس کا ظہور ہو گیا ہے واسطے اظہار کرامت و قرب و مقبولیت اس ولی کے سو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کوئی حد نہیں پھر کرامت محدود کیسے ہو سکتی ہے رہا یہ شبہ کہ معجزہ کے ساتھ مساوات لازم آنے کا احتمال ہے اس کا جواب ہے کہ جب صاحب کرامت خود کہتا ہے کہ میں نبی کا غلام ہوں تو جو کچھ اس سے ظاہر ہوا ہے بہ تبعیت اس نبی کے ہے استقلالاً نہیں تو اس شبہ

کی گنجائش ہو البتہ جس خرقِ عادت کی نسبت نبی کا ارشاد ہو کہ اس کا صدور مطلقاً محال ہے وہ بطور کرامت کے صادر نہیں ہو سکتے۔ جیسے قرآن مجید کے مثل لانا۔

اور جاننا چاہیئے کہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اپنی کرامت کا اخفا واجب ہے مگر جہاں اظہار کی ضرورت ہو یا غیب سے اذن ہو یا حالت اس قدر غالب ہو کہ اس میں قصد و اختیار باقی نہ رہے۔ یا کسی طالب حق و مرید کے یقین کا تقوی کرنا مقصود ہو وہاں اظہار جائز ہے۔

اور جاننا چاہیئے کہ بعض اولیاء اللہ سے بعد انتقال کے بھی تصرفات و خوارق سرزد ہوتے ہیں۔ اور یہ امر معنیً حدِ تواتر تک پہنچ گیا ہے۔ یہ تو کرامت کی شرعی تعریف یا شرعی حیثیت تھی۔

(۵) آج کرامت اور خاص طور پر وہ کرامت جسے حسی کہا جاتا ہے اور جو بظاہر قانونِ عادت سے خارج ہوتی ہے اس کے بارے میں نئی روشنی سائنس زدہ ذہن جس انداز میں سوچنے کا عادی ہو چکا ہے وہ یہ ہے کہ کرامت کی کوئی اصلیت ہی نہیں اور وہ باتیں جو عقل کے دائرہ سے خارج ہوں، فائق الفطرت اور خارق العادت ہوں وہ سرے سے ماننے کے لائق نہیں۔ ایسی باتوں پر عقیدہ رکھنے سے عقلِ انسانی اپنی فضیلت و برتری کے بلند میناروں سے گر کر جہالت کے تاریک گڑھوں اور کھڈوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

ایسا سوچنے والا ذہن بے انتہا ظاہر پرست بلکہ مظاہر پرست ہوتا ہے

اور اس کا سائنٹیفک نقطۂ نظر دراصل خود سائنس کے سطحی مطالعہ کا نتیجہ کہا جاسکتا ہے۔ ورنہ جس چیز کو وہ خلافِ فطرت سمجھتا ہے وہ فطرت کے عین مطابق ہے یہ دوسری بات ہے کہ اس مطابقت کے لطیف پہلوؤں اور نازک رشتوں پر اس کی "قانونِ کائنات" کی نظر نہ پڑسکتی ہو۔ ایسے شخص کے لئے غالب کا مشورہ یہ ہے ؎

حسد سے دل اگر افسردہ ہے گرمِ تماشا ہو
کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے وا ہو

اور پھر اس "کثرتِ نظارہ" کے ساتھ "عمقِ مطالعہ" بھی ضروری ہے۔ وجدانیات و روحانیات کی بات فی الحال چھوڑیئے۔ خالص سائنٹیفک نقطۂ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے بھی یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ فطرت مادہ کی ظاہری صورتوں کا ہی نہیں اس کی باطنی قوتوں کا بھی نام ہے اور مادہ کی صورتوں میں ظاہری تبدیلیاں اور تغیرات انھیں باطنی قوائے عمل کے تابع ہیں۔ جس کی تمام گہرائیوں اور گیرائیوں سے ہم واقف نہیں۔

قوائے فطرت (طبیعیات) میں سے صرف بجلی ہی کو لے لیجئے۔ اس کی ایجاد اور اس سلسلہ میں نئے نئے اختراعات واکتشافات سے پہلے ان باتوں پر کون صاحبِ عقل یقین کرسکتا تھا جو آج بجلی کی قوت کے ذریعہ ممکن ہوگئی ہیں۔ طرح طرح کی روشنیوں اور شعاعوں کے علاوہ جو بجلی کے ذریعہ پیدا کی جاتی ہیں ریڈیو

راڈر۔ لاسلکی اور ٹیلی ویژن جو آج ہم سب کی آنکھوں کے سامنے ہیں اور جن سے انکار کی کوئی صورت نہیں۔ کیا یہ سب چیزیں اپنی ایجاد سے پہلے عقل میں آنے والی تھیں۔ کیا اگر اب سے پچاس سال پہلے یہ حیران کن باتیں بیان کی جاتیں اور ان پر یقین اور اعتماد کا اظہار کیا جاتا تو ہم کہنے والے کو فاترالعقل نہ سمجھتے۔ گذشتہ چند سالوں میں ایٹمی توانائی (جوہری قوت کی دریافت نے کیا ہمیں دوبارہ "طلسم ہوش ربا" کی دنیا میں نہیں پہنچا دیا ہے۔ کیا اب سے پہلے یہ بات ممکن اور فطرت عین مطابق "نظر آتی تھی۔ کہ ایک ذرۂ ناچیز (ایٹم) میں قوتِ عمل کا ایسا بے پناہ خزانہ چھپا ہوا ہے۔ کیا شاعروں سے الگ کوئی اس بات پر یقین کرتا تھا کہ واقعتاً ذروں میں آفتابی قوت اور ایک نظامِ شمسی موجود ہے۔ اور کیا سائنس آج اپنی اس بے مثال ترقی کے باوجود فطرت کے تمام رازہائے سربستہ کو منکشف اور اس کے قوائے عالیہ کو قابو میں کر پائی ہے۔ عرفی نے کہا ہے ؎

ہر کس نہ شناسندۂ راز ست وگر نہ
اینہا ہمہ راز ست کہ مفہومِ عوام است

آج "مفہومِ خواص" کے بارے میں بھی تو پورے وثوق سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جسے رازِ منکشف و معلوم سمجھا جا رہا ہے وہ ہنوز سربستہ نہیں ہے۔

علاوہ ازیں کیا ہم آج کی دنیا میں مختلف شعبہ ہائے سائنس اور ان کے مہتم بالشان طریقِ عمل کو جانے بغیر زمانہ حال کے عجیب و غریب اکتشافات اور ایجادات

کی حقیقت سے واقف ہو سکتے ہیں!

پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اس روحانی قوت کو جو فطرت کے قوائے عالیہ میں سب سے اعلیٰ و ارفع درجہ رکھتی ہے، اس کے اندر چھپے ہوئے امکانات کو اور ان کے ذریعہ سرزد ہونے والے حرکات و سکنات اور افعال و اعمال کو ان کے مضمرات سے واقفیت حاصل کئے بغیر سمجھ جائیں۔ ایک طرف تو کوئی اس کے مبادیات سے بھی واقف نہ ہو دوسری طرف وہ اس کے منتہائے کمال پر کوئی آخری فیصلہ دینے کی جرأت کرے یہ کیسی عجیب بات ہے۔

یورینیم کے ایک ادنیٰ سے ذرہ میں جس بے پناہ قوت کا ہونا اور اس قوت کے ذریعہ جن "خارق العادت" باتوں کا وقوع پذیر ہونا ممکن ہے کیا اس قوت کا ایک قلب پر نور اور ایک روح پر فتوح میں ہونا ممکن نہیں جب کہ اس روح کا تعلق اور اس دل کا رابطہ اس خدائے قادر و توانا سے ہو جو تمام قوائے فطرت کا مرکز اصلی اور منبع ازلی ہے۔ اور جس تک پہنچنے کا واسطہ اس ذات والا صفات کو بنایا گیا ہو جس پر حیات و کائنات کی اعجاز نمائی ختم ہے۔ جو حسن عمل اور حسن خیال کا اعلیٰ ترین مظہر ہے۔ اور جس کی زندگی میں ایک "ایسا لمحۂ لا نہایت" بھی آچکا ہو جب کہ اس کا نورانی وجود تمام عالم اسرار کی سیر کر آیا ہو اور ہنوز بستر گرم ہو اور زنجیر در ہل رہی ہو۔

بجلی کے قمقمے تو آپ نے ضرور دیکھے ہوں گے اور اس عمل کا مشاہدہ کیا ہوگا کہ وزا بٹن دبایئے اور کنچ کے بلب میں روشنی آموجود ہوتی ہے۔ اس کی وجہ آپ

جانتے ہیں کہ بلب کے اندر لگے ہوئے مخصوص دھات کے مہین تاروں کا تعلق ایک سوئچ کے ذریعہ بجلی کے اصلی خزانہ سے جڑا ہوا ہے۔ جوں ہی اس سوئچ میں ذرا سی حرکت ہوئی مرکزِ اصلی سے بجلی کی لہر آنی شروع ہو گئی۔ اور بلب کی روشنی نے تمام ماحول کو بقعہ نور بنا دیا۔ یہی صورت اولیاء اللہ کے یہاں ہے کہ انہوں نے ذرا ارادہ کیا اور ان کے دل میں سوئچ کی سی حرکت ہوئی اور ان کے افعال و اعمال کا سلسلہ اس "منبع معجز نما" سے مل گیا جس کے لئے ہر چیز ممکن ہے۔

آتش نے کیا خوب کہا ہے ؎

گردش ہے چشم یار کی آتش عجب نہیں

ہوں وہ عمل جو گردشِ دوراں سے دور ہوں

مگر اس ذہن کا کیا کیا جائے "جو گردشِ دوراں" کا تو قائل ہے۔ اس کے اثرات کو تو مانتا ہے۔ مگر گردشِ چشم یار" کی اعجاز نمائی کا قائل نہیں۔

اس کے نزدیک مسمریزم کی یہ شعبدہ کاری تو ممکن ہے کہ ایک نگاہ کی اور پتھر کو توڑ دیا۔ آنکھ جھپکائی اور جلتا ہوا چراغ بجھ گیا۔ مگر روحانی مسمرازم کی یہ عجوبہ طرازی ممکن نہیں کہ ایک نظر کیمیا اثر سے پتھر کو آئینہ بنا دیا۔ اور دل کے بجھے ہوئے چراغ کو ہمیشہ کے لیے روشن کر دیا۔

یہ صحیح ہے کہ اسلام کی بنیاد سنت اللہ اور آئین فطرت پر ہے اور اس کی "سادگی" ہی میں اس کی "پرکاری" چھپی ہوئی ہے۔ اس کی صحت و صداقت کا

دارومدار روحانی کرشموں اور کرامتوں پر نہیں اور یہ تمام باتیں پیروانِ دینِ مبین وشرعِ متین کے لئے اضافی وثانوی حیثیت رکھتی ہیں اور جیسا کہ حکیم الامۃ نے کہا ہے کہ معنوی کرامت جس کا درجہ بڑا ہے. شریعت پر مستقیم رہنا، مکارمِ اخلاق کا خوگر ہونا وغیرہ ہے.

بہرحال، بزرگانِ دین واولیاء اللہ کے اندر دیگر اوصافِ عالیہ کے ساتھ یہ فطرتِ فائقہ بھی ہوتی ہے جس کا اظہار کبھی ان کے علم اور ارادہ سے ہوتا ہے اور کبھی غیر ارادی واضطراری طور پر. جیسے بادلوں سے بجلی کا چمکنا.

یہ بات الگ ہے کہ بعض لوگوں نے اس قسم کی کراماتِ حسیہ کے بیان میں مبالغہ سے کام لیا ہو اور "زیبِ داستان" کے لئے اتنا کچھ بڑھا دیا گیا ہو کہ پوری داستان حقیقت سے افسانہ بن گئی ہو.

حضرت کا مولدِ مقدّس

حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کے مولدِ مقدس کی جانب شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی و مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک نظم میں جو خود حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ سے ہی متعلق ہے، اس طرح اشارہ کیا ہے:۔

شہر جھنجھانہ ہے اک جائے ہدٰے
مسکن و ماویٰ ہے اُس جا آپ کا
مولدِ پاک آپ کا ہے اور مزار
اس جگہ تو جان لے اے ہوشیار

یہ شہر جھنجھانہ جسے حضرت کے خلیفۃ الاعظم نے "جائے ہدٰے" کہا ہے جو آپ کا "مسکن و ماوا ہے" اور جہاں آپ کا "مولدِ پاک" اور مزارِ مقدس ہے ضلع مظفر نگر یو۔پی کا ایک قدیم قصبہ ہے۔ جو شاہدرہ (دہلی) سہارن پور ریلوے کے اسٹیشن شاملی سے شمال مغرب کی طرف سات میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور ایک پختہ سڑک کے ذریعہ قصبہ شاملی اور ضلع مظفر نگر سے ملا ہوا ہے جس پر موٹر لاریاں

اور تانگے وغیرہ چلتے ہیں۔

دہلی کے قریبی علاقوں میں پانی پت۔ کیرانہ، کاندھلہ۔ بڈھانہ، تھانہ بھون اور جھنجھانہ وغیرہ کچھ ایسے قصبے ہیں جن کو ہم تاریخی وتہذیبی، مذہبی اور ثقافتی اعتبار سے دہلی کے نظام شمسی کے ایسے چھوٹے چھوٹے چاند اور ستارے کہہ سکتے ہیں جو اپنے مرکز سے قریب تر ہونے کی وجہ سے اس کی روحانی روشنی، تہذیبی ترقی، حکومتی انقلاب اور سیاسی استقلال سے براہ راست مستفیض و متاثر ہوئے ہیں۔

ان تمام مذکورہ بستیوں اور آبادیوں میں شہر جھنجھانہ کو ایک مخصوص مقام اور اہم درجہ حاصل ہے۔

اس قصبہ کی قدامت اور اس کی "دیرینہ روزی" کا اندازہ اس کی "ہیئت کذائی" پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہو جاتا ہے۔ اس کی قدیم آبادی کا زیادہ تر حصہ اپنے آس پاس کے کھیتوں، میدانوں اور سڑکوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ اونچائی پر واقع ہے۔ یہ بستی اتنی بلندی پر کیسے بسی اس کا کوئی سبب سمجھ میں نہیں آتا۔ اس کے قرب وجوار میں کہیں کوئی ایسی پہاڑی یا بلند ٹیلہ بھی نظر نہیں آتا جسے دیکھ کر یہ قیاس کر لیا جائے کہ یہاں بھی کوئی ایسی ہی چیز ہوگی۔ جسے اس قصبہ کو آباد کرنے والوں نے کسی قریبی دریا کے سیلاب اور وقت کے انقلاب سے بچنے کے لئے انتخاب کیا ہوگا۔

اس لئے اس بارۂ خاص میں پرانے بزرگوں کی اس روایت ہی کو صحیح ماننا

پڑتا ہے کہ جہاں اب جھنجھانہ آباد ہے وہاں سینکڑوں سال پہلے اسی نام کی یا کسی دوسرے نام کی عظیم الشان بستی بسی ہوئی تھی۔ جو کسی زمینی و زمانی آفت یا انقلاب سے تباہ و برباد ہو گئی اور اسی کے کھنڈروں اور ڈھیروں پر کچھ زمانہ کے بعد دوسرا شہر آباد ہو گیا اور اس بلندی پر آباد ہونے والوں کو یہ بھی یاد نہ رہا بلکہ شاید معلوم ہی نہ ہو سکا) کہ اس کی بستی میں کیا کچھ دفن ہے۔ اور اس طرح جھنجھانہ کی پرانی تاریخ کی تہیں اس کی نئی تاریخ کی سطح کے نیچے کچھ ایسے چھپ گئی ہیں جیسے کسی پرانی اور کرم خوردہ کتاب کے بعض صفحے ایک دوسرے سے اس طرح جڑ جائیں کہ پھر ان کو الگ الگ کر کے دیکھنا دشوار ہی نہیں ناممکن ہو جائے۔

جھنجھانہ کی پرانی تاریخ کا کھوجنا اور پتہ لگانا آج ممکن ہی نہیں۔ ہاں اس کی نئی تاریخ جو خود کئی صدیوں کی داستان ہے، ہماری آنکھوں کے سامنے اس کے مقابر و محلات کی دیرینہ دیواروں اور کہنہ آثاروں پر ایک افسانۂ عبرت کندہ ہے فیض جھنجھانوی کا شعر ہے ؎

اس کے ذرہ ذرہ پر تحریر ہے درسِ حیات
اب تو یہ ویرانہ ہے تھا جب کبھی جھنجانہ تھا

جھنجھانہ کی تاریخ سے اسلام اور مسلمانوں کا تعلق قریب قریب ایک ہزار سال پرانا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے بھی کچھ پہلے سے مسلمان صوفیا اور فقراء نے یہاں آکر تبلیغ دین اور تلقینِ توحید کی روشنی سے اس خاکدانِ تیرہ کو روشن کرنا

شروع کر دیا ہو۔ بہرحال اب سے صدہا سال پیشتر کی بات ہے کہ ایک مردِ مجاہد اور صوفی صافی سفر کرتے ہوئے اس علاقہ میں آکر مقیم ہوئے اور خاموشی و خود فراموشی کے ساتھ یادِ خدا میں مشغول ہو گئے۔ اور ان کے وجودِ باجود کی برکت اور سینۂ سکینہ کی روشنی کی بدولت یہاں کی آبادیوں کے قلوب نورِ ایمان سے منور ہونے لگے۔ اس وقت یہاں جھنجھ نامی ایک راجہ کا راج تھا۔ یہ راجہ بے انتہا تند و متکبر تھا اور اس کی بدکرداری و بداعمالی اس حد تک آگے بڑھ چکی تھی کہ اس کی ریاست کی حدود کے اندر کسی کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ نہ تھی۔ اس نے یہ دستور بنا رکھا تھا کہ اس کی راجدھانی میں جو نئی نویلی دلہن بیاہ کر لائی جائے یا لڑکی رخصت ہو وہ پہلی رات اس کے عشرت کدے میں گزارے ـــ کسی بات پر اس راجہ کو اس مردِ مسافر سے پرخاش ہو گئی۔ اور وہ اس فرستادۂ خداوندی کو ضرر پہنچانے اور تکلیف دینے پر کمربستہ ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ اس مخالفت کی وجہ بھی یہ ہی تھی کہ ان حضرت (پیر بیابان شہید رح) کے یہاں ایک لڑکی تھی جو جوان ہو چکی تھی۔ اور اس کی رخصت کے دن قریب تھے۔ راجہ جھنجھ نے حضرت پیر بیابان کو بھی اپنے یہاں کے اس "دستور" کی اطلاع دی۔

حضرت نے اسے اپنے اسلامی ناموس اور دینی غیرت کے لئے ایک تقاضہ (چیلنج) سمجھا۔ اور اپنے ضمیر منیر کی آواز اور اشارۂ غیبی کے مطابق اس ظالم و جابر کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنے کا تہیہ کر لیا۔ اور اس کی اطلاع اپنے شاگرد رشید

اور مرید خاص سید سالار محمود سبزواری کو دی جو علاقۂ زنجبار کے شہزادے تھے۔ اس زمانے میں خبر رسانی کے لئے نامہ بر کبوتر استعمال کئے جاتے تھے۔ چنانچہ حضرت پیر بیابان رحمتہ جو جو مظالم و مصائب انہیں برداشت کرنے پڑ رہے تھے ایک پرچہ پر لکھ کر کبوتر کے پیر میں باندھ دیئے۔ اور اسے دور دراز سفر پر روانہ کر دیا۔ سید صاحب اس وقت نوجوان بلکہ نوعمر تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت آپ کے پاس پیر بیابان کا یہ پیغام پہنچا تو آپ اپنی شادی کا جوڑا زیب تن کئے ہوئے تھے۔ اور چہار طرف جشن عروسی کی دھوم دھام تھی۔ مگر عروس شہادت کے اس دلہا نے جیسے ہی اپنے پیر و مرشد کی طلب کا احوال پڑھا شادی کی خوشیوں کو خیرباد کہا اور اسی وقت اپنی والدۂ ماجدہ سے اجازت روانگی برائے جہاد طلب کی اور مجاہدین کی ایک فوج ظفر موج کو ساتھ لے کر جس کی تعداد بارہ سو تھی ہندوستان کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور منزل پر منزل مارتے ہوئے جھنجھانہ پہنچ گئے۔

شہر کے جنوبی دروازہ کے سامنے جہاں اب کھیت اور باغات ہیں اور اس وقت کافی بڑا میدان ہو گا صفہائے جہاد آراستہ ہوئیں۔ وہ کافر لعین اپنے کیفر کردار کو پہنچا۔ اسے شکست فاش نصیب ہوئی۔ مگر اس جہاد میں حضرت سید سالار (امام شہید) اور ان کے بہت سے مجاہد ساتھیوں نے جن میں اولیاء اللہ بھی تھے جام شہادت نوش فرمایا۔

یہ واقعہ ۷۰۰ھ کا بتلایا جاتا ہے اور قرائن سے بھی یہ سن اور سال صحیح

معلوم ہوتا ہے، چونکہ سلطان شہاب الدین محمد غوری کے فتح ہندوستان کے بعد جب دہلی میں غلام خاندان کی مستحکم و مضبوط حکومت قائم ہو چکی تھی یہ ممکن نہ تھا کہ جھنجھانہ کی ایک چھوٹی سی ریاست کا جاگیردار راجہ دہلی سے اتنا قریب ہوتے ہوئے بھی اس طرح علانیہ فسق و فجور کا بازار گرم کرے کہ اس کے ہاتھوں سے خود اہلِ اسلام کی عزت و ناموس بھی محفوظ نہ رہے۔ اور اگر بالفرض اسی زمانہ میں ایسا ہوا تو پیر بیابان رہنے دربارِ شاہی میں اس ظلم و ستم کے خلاف فریاد کیوں نہ کی اور دور دراز علاقہ میں رہنے والے اپنے ایک شاگرد شاہزادے کو اپنی مدد کے لئے کیوں بلایا جب کہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اس وقت کے سلاطینِ دہلی انتہائی خدا ترس اور دیندار تھے۔ اور اپنی رعایا و برایا کے جان و مال اور عزت و ناموس کی حفاظت کے لئے ہمیشہ کمربستہ رہتے تھے۔ میرے اس خیال کو اس امر سے بھی تقویت پہنچتی ہے کہ جھنجھانہ شہر کے وسط میں جو جامع مسجد ہے اس کا طرزِ تعمیر ان مساجد و مقابر سے بہت ملتا جلتا ہے جو سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں تعمیر ہوئیں۔ ظاہر ہے کہ یہاں اس مسجد کی تعمیر اسی وقت ہوئی ہوگی جب کہ یہ علاقہ پوری طرح اسلام کے حلقۂ اثر و حیطۂ اقتدار میں آچکا ہوگا۔

اس معرکۂ حق و باطل میں سید سالار محمود (امام شہیدؒ) کے علاوہ جو مجاہدین داخل بحق ہوئے ان میں سے بعض کو ان ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ شاہ پیر

اخوند شہید۔ حضرت یحلی شہید۔ حضرت ذرع شہید۔ جو امام شہید کے حقیقی بھانجے تھے۔ حضرت قتال شہید۔ حضرت پیر بیابان شہید وغیرہ۔

ان شہدائے حق کے ساتھ شریک جہاد ہونے والے دیگر مجاہدین و دیگر بزرگانِ دین کے مزارات بھی جھنجھانہ ہی میں واقع ہیں۔ حضرت شاہ اسوادی۔ (ان کا مزار امام شہید کے مزار سے متصل مسجد کی پشت پر ہے)۔ حضرت شاہ سالار بخش (ان کے نام سے اب تک ایک جوہڑ سلارہ جوہر کہلاتا ہے) نیز حضرت امام صاحب شہید کے ایک ساتھی امام ناصرالدین محمود صاحب شہید کا مزار شریف قصبہ بنت (ضلع مظفرنگر) میں ہے۔ جن کا عرس بھی بنت میں بھرتا ہے۔ خود امام شہید رحمۃ اللہ علیہ کا مرقد مقدس بھی جھنجھانہ ہی میں ہے۔ اور زیارت گاہِ خواص و عوام ہے۔ دور و نزدیک کے مسلمان ہی نہیں۔ اہلِ ہنود حضرات بھی اس درگاہ سے بڑی عقیدت و محبت رکھتے ہیں۔ اور نذر و نیاز کرتے ہیں۔ ماہِ محرم کی بابت ۱۳ و ۱۴ تاریخوں میں آپ کا عرس بھی ہوتا ہے۔ اور یہی ماہِ محترم شہادت امام کا مہینہ بھی ہے۔ یہ درگاہ امام صاحب ہی کہلاتی ہے۔ اور اسی کے متصل وہ گنج شہیداں ہے جہاں نہ جانے کیسے کیسے مردانِ خدا لالۂ صحرا کی طرح خونیں کفن پہنے ہوئے سو رہے ہیں۔

انھیں امام عالی مقام کے مزارِ مقدس کے قریب ایک بہت بڑی باولی ہے۔ (جس کا پانی صدیاں بیت جانے پر بھی خشک نہیں ہوا۔ اور جو غالباً اس

نواب عالی مقام کی بنوائی ہوئی ہے جس کو جھنجھانہ کے لوگ نواب حیدری خاں کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جھنجھانہ ایک زمانے میں ان کی جاگیر تھا۔ ان کے قلعہ نما محل کا بلند دروازہ اور چھوٹی اینٹوں سے بنوائی ہوئی چار دیواری مع چار برج کے اب بھی شکستہ حالت میں موجود ہے۔ اور اپنے بنانے والے کی عظمتِ رفتہ کی کہانی سنا رہی ہے۔ آج کل اس عمارت کے اندر مقامی پولیس اسٹیشن اور اس کے دفاتر اور عمارتیں ہیں۔

شہر کے وسط میں واقع جامع مسجد کا ذکر اس سے پیشتر آچکا ہے۔ یہ خود ایک اہم تاریخی عمارت ہے۔ اس کے صحن میں ایک جانب تو کچھ پرانی قبریں ہیں دوسری جانب حضرت شاہ عبدالرزاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا روضہ مبارک ہے۔ جن کا خطاب شاہ العالمین تھا۔

یہ عمارت "نیلا روضہ"[1] کہلاتی ہے اور فنِ تعمیر کا ایک عجوبہ ہے۔ اس کا زبردست گنبد جو کسی وقت خوبصورت رنگ کے نیلے ٹائلوں سے مزین ہوگا،

---

[1] اس روضہ کی عمارت شاہ العلمین کے معتقد خاص نواب ابو محمد میرٹھی نے بنوائی تھی۔ اس کے ساتھ شہر کے باہر ایک پختہ تالاب اور شہر پناہ کی ایک دیوار بھی جو شہر کے دکھن میں تھی اسی نواب نامدار نے تعمیر کرائے تھے۔ مگر اب یہ دونوں تعمیریں مرورِ ایام کے باعث برباد ہو چکی ہیں۔ نواب ابو محمد کا مزار میرٹھ میں ہے۔ اس پر جو منظوم کتبہ لگا ہوا ہے اس کا ایک مصرعہ یہ بھی ہے

ع ۔ معتقدِ خاص شاہِ جھنجھانی

گذشتہ تین سو برس سے سنگِ سرخ سے بنے ہوئے کچھ نازک اندام ستونوں پر قائم ہے۔ اور ان ستونوں کے درمیان ایسی نفیس اور نازک پتھر کی جالیاں نصب ہیں جن کی نظیر شاہی مقابر و محلات میں ملتی ہے۔ مقبرے سے باہر سنگِ سفید کا ایک بڑا کتبہ لگا ہوا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمارت شہنشاہ جہانگیر کے عہدِ معدلت میں بن کر تیار ہوئی تھی جس کی تکمیل کی تاریخ (سنہ ۱۰۳۳ھ) ہے۔

حضرت شاہ العلمین رح بزرگ اور صاحبِ فضیلت ہونے کے ساتھ ساتھ عالمِ متبحر بھی تھے۔ آپ کی گراں قدر تصنیفات میں سے بعض کتابیں جیسے "صحائفِ المعرفت" اور "خیر البیان" خاص اہمیت رکھتی ہیں اور قلمی حالت میں ہنوز محفوظ ہیں۔ حضرت نے مغلِ اعظم جلال الدین محمد اکبر اور شہنشاہ جہانگیر کا زمانہ پایا۔ کہتے ہیں کہ جہانگیر کو آپ سے خصوصی عقیدت تھی۔ آپ کے انتقال کی تاریخ ۲۳ ذی الحجہ سنہ ۹۴۹ھ (سنہ ۱۵۴۲ء) ہے۔ آپ کے مرشد اعظم شاہ اعظم خیالی دہلوی تھے۔

آپ کی ذات والا صفات کے علاوہ آپ کے اسلاف و اخلاف بھی علوئے نسب، شرافتِ نفس، تبحرِ علمی و تقدسِ دینی کے اعتبار سے اپنے ہم چشموں اور ہم عصروں میں ممتاز رہے ہیں۔ چنانچہ آپ کے جدِ امجد دربارِ دہلی کی طرف سے قاضی القضاۃ تھے۔ اور شاہ قلندر بخش علوی جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ جو بہت بڑے بزرگ تھے ان کا تعلق آپ ہی کے سلسلہ سے تھا بلکہ وہ آپ کے سجادہ نشین تھے۔ ان کا

مزارِ اقدس بھی روضۂ اشرف میں ہے[1]۔ ان کی مہر پر یہ شعر کندہ ہے ؎

ہست در بزمِ حیات از نورِ شاہ العٰلمین
شمع روشن از قلندر بخش سجادہ نشیں

بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے ایک مرید خضر خاں رئیس بہٹ ضلع سہارنپور نے ان کو ایک گاؤں موضع سیلکھا بھی نذر کیا تھا۔

خود حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ بھی شاہ العٰلمین کی اولاد احفاد میں سے ہیں۔ چنانچہ حضرت کا شجرۂ نسب نویں پشت میں شاہ عبدالرزاق صاحب (شاہ العٰلمین) سے مل جاتا ہے۔ اس دودمانِ والاشان کے علاوہ بھی جھنجھانہ کا مردم خیز خطہ کبھی اصحابِ فن، اربابِ فکر اور اہلِ کمال سے خالی نہیں رہا۔ تاریخ ادب اردو کے بعض محققین کا خیال ہے کہ شمالی ہندوستان میں اردو زبان کے سب سے پہلے باقاعدہ شاعر افضل جھنجھانوی تھے۔ جنہوں نے "بارہ ماسہ" لکھا تھا۔ بکٹ

---

[1] حضرت شاہ عبدالرزاق رح کے خالہ زاد بھائی شاہ مبارک کا مزار بھی جھنجھانہ ہی میں ہے۔ علاوہ ازیں حضرت شاہ بختیار رح و حضرت شاہ ابو سلم رح جو دونوں آپس میں حقیقی بھائی ہیں۔ ان دونوں بزرگوں کا زمانہ بھی حضرت شاہ عبدالرزاق رح ہی کا زمانہ ہے اور جھنجھانہ ہی میں دونوں کے مزارات ہیں۔ حضرت شاہ روشن چراغ کا مزار شاہ پیرا خوندرم کے مزار کے پاس ہی ہے۔ اور حضرت شاہ چشتی کا مزار مسجد چشتی کے سامنے ہے۔

مختصر یہ کہ جھنجھانہ اپنے آس پاس کے دیگر قدیم قصبوں کی طرح ایک تاریخی اہمیت اور تہذیبی حیثیت رکھنے کے علاوہ اپنی ایک الگ خصوصیت کا مالک ہے۔ اس کی خاک پاک نے بہت سے ایسے اکابر و افاضل پیدا کئے ہیں جن کا نام ہماری تاریخ میں ہمیشہ روشن رہے گا۔ حضرت میاں جیو رح اور آپ کے جدّ عالی مرتبت حضرت شاہ العلمین کی حیثیت آسمان شہرت کے آفتاب و ماہتاب کی سی ہے۔

حیاتِ طیّبہ

اسی قصبہ میں جس کے تاریخی پس منظر اور علمی ماحول کی جھلکیاں آپ نے گذشتہ صفحات میں دیکھیں، ۱۲۰۱ھ ہجری میں حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔[1]

حضرت میاں جیو رح کی پیدائش کے سلسلہ میں سن اور سال تو معلوم ہے مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ روز مقدس (وہ مبارک مہینہ) اور وہ ساعتِ سعید

---

[1] یہ عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ مشہور مجددِ دین و مجاہدِ اسلام حضرت سید احمد صاحب شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش کا سن اور سال بھی یہی ہے۔ اور اس اعتبار سے آسمانِ اسلام پر ایک ساتھ ان دو کواکب مسعود و درخشاں کا طلوع نئے معنوں میں ایک قرانُ السعدین کہلائے گا۔ جو آگے چل کر استقلال امتِ محمدی اور استحکامِ دینِ متین کے لئے ۱۲۴۶ھ کے جہادِ حریت میں بھی ایک دوسرے کے ہمدم و ہم قدم رہے۔ اور جن کی ہم نفسی و ہم آہنگی سے اسلام میں شریعت و طریقت کی الگ الگ راہوں اور جدا جدا مسلکوں کے نام پر جو فتنۂ عظیم پیدا ہو چکا تھا اس کا بطریقِ احسن سدِ باب ہوا۔

کونسی بستی جس میں اس نور محمدی نے اپنے ظہور قدسی سے خاکِ پاکِ جھنجھانہ کو مطلعِ صد انوار بنایا اور دین و دنیا کی یہ دولتِ پائندہ سید جمال محمد میاں علوی (حضرت میاں جیو رح کے والد) کے یہاں ایک گنجِ گراں مایہ کی صورت میں آئی۔ حضرت رح اپنے خوش قسمت ماں باپ کے دوسرے فرزند ارجمند تھے۔ آپ کے برادر بزرگ کا اسمِ گرامی غلام ضامن تھا۔ آپ کا نام مقدس اشارۂ ہاتفی اور تائیدِ غیبی کے تحت "نور محمد" قرار پایا۔ آپ کے بعد پیدا ہونے والے بھائی بہنوں کے اسماء پاک یہ تھے۔ غلام حیدر۔ کمال محمد، بی خطیبہ، علی محمد۔ غوث محمد۔ والد مرحوم کی جانب سے آپ کا شجرۂ نسب یہ ہے۔

نور محمد [۱] بن سید جمال محمد [۲] بن سید پیر محمد [۳] بن سید محمد رضا [۴] بن سید الٰہی بخش [۵] بن
سید محمد زماں [۶] بن سید شاہ مربی محمد [۷] بن شاہ محمد [۸] بن شاہ عبدالرزاق [۹] صاحب شاہ العلمین
بن شیخ احمد اللہ راضی [۱۰] بن قاضی القضاۃ محمد فاضل [۱۱] بن نور بخش [۱۲] بن شیخ عبدالعزیز [۱۳]
بن نور کمال الدین [۱۴] بن شیخ ابوسعید [۱۵] علوی القادری مفتی از ملکِ عرب آمدہ بود۔
بن میر احمد راضی [۱۶] بن سلطان ابوسعید شاہ [۱۷] بن ابو اسحاق شاہ [۱۸] بن محمد شریف شاہ [۱۹]۔
بن سلطان میر جانشاہ [۲۰] بن سلطان فرخ شاہ [۲۱] بن شیخ امیر ارسلان [۲۲] بن شاہ علی سرمست [۲۳]
بن شاہ حسین فردوس [۲۴] بن شیخ ابا یزید [۲۵] بن شیخ محمد فرید [۲۶] بن شیخ حسن [۲۷] بن شیخ میر علی [۲۸] بن
بن شیخ محمد باقر [۲۹] بن شیخ ابوبکر [۳۰] بن شیخ ابوالمعانی [۳۱] بن شیخ ابوالقاسم [۳۲] بن شریف البرکات
علی اصغر [۳۳] بن علی اکبر خداداد دوست [۳۴] بن علی اعظم نور الحق [۳۵] بن ضیاء الدین [۳۶] بن حق پرست۔

بن حاجی الحرمین نورالدین[۳۷] طوسی بن علی احمد[۳۸] کوفی بن صلاح الملک شیخ حسین[۳۹] حق مبین بن زائر الحرمین امام حسن[۴۰] جاسی بن[۴۱] حنفیہ بن شیخ الاسلام ابوالقاسم[۴۲] محمد الاکبر کنیت محمد بن حضرت علی[۴۳] کرم اللہ وجہہ۔

حضرت کے والد ماجد ایک متوسط درجہ کے زمیندار تھے۔ اور فضیلت و بزرگی میں اس وقت کے خاندانِ علوی کے افراد میں گلِ سرسبد تھے۔ اس اعتبار سے آپ نجیب الطرفین ہیں۔ اور عزت و عظمت، شرافت و نجابت کے ساتھ فضیلت و بزرگی آپ کی خاندانی میراث ہے۔

ابتدائی تعلیم

حفظِ کلام پاک آپ نے جھنجھانہ ہی کے کسی مکتب میں کیا۔ ابتدائی فارسی تعلیم بھی یقیناً دستورِ زمانہ کے مطابق اپنے خاندان کے کسی بزرگ یا کسی دوسرے صاحبِ علم سے حاصل کی ہوگی چونکہ اس وقت قصبات میں عام طور پر سلسلۂ تدریس وحصولِ تعلیم کے لئے باقاعدہ مدارس بہت کم ہوتے تھے۔ اس لئے ایسے اہلِ علم وفضل حضرات ہی سے شائقین علم و فن اور طالبانِ فضل و کمال کسبِ علم و فیض کرتے تھے جن کی ہستی خود ایک ادارہ[۱] ہوتی تھی۔

---

[۱] چنانچہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکی مدنی، مثنوی مولانا روم کے پڑھنے کی غرض سے منشی عبدالرزاق صاحب جھنجھانوی کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ جو مثنوی کے دفتر ہفتم کے مصنف حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب جھنجھانوی کے صاحبزادے کے شاگرد تھے۔ مفتی صاحب نے چونکہ کاندھلہ سکونت اختیار کرلی تھی اس لئے عام طور پر کاندھلوی سمجھے جاتے ہیں۔

اور جو اتالیقی و معلمی کو ایک فریضۂ مقدس سمجھ کر اپنے متعلمین و متوسلین کی ذہنی و اخلاقی تربیت پر خصوصی توجہ دیتے تھے۔ حضرت کو بھی اس زمانہ میں یقیناً کوئی ایسا ہی شفیق و باکمال استاد ملا ہو گا کیونکہ اس وقت کے جھنجھانہ کو علماء و فضلاء کے وجود سے ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی اور خود آپ کے خاندان میں علم و فضل کی وہ فراوانی اور ارزانی تھی کہ اب سے کچھ دنوں پیشتر تک اس خاندان کے افراد کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ وہ ماں کے پیٹ سے عالم پیدا ہوتے ہیں۔

سفرِ دہلی آپ نے ایک طفلِ معصوم اور علم کی طلب صادق رکھنے والے ایک نوعمر و نوجوان طالب علم کی حیثیت سے اپنی عمر عزیز کے کتنے سال اپنے وطنِ مالوف میں گذارے اور کس سن میں پہلی بار حصولِ تعلیم کی غرض سے شاہجہان آباد (دہلی) کا سفر اختیار کیا اس کی نسبت کوئی تفصیل روایتاً یا کسی کی زبانی معلوم نہیں ہو سکی۔ گمان غالب ہے کہ پندرہ اور بیس برس کے سن کے درمیان ایسا ہوگا۔ حضرت کے دہلی پہنچنے کا زمانہ اس عروس البلاد جہاں آباد کی بہار کا نہیں خزاں کا زمانہ تھا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ خزاں اپنے شباب پر تھی۔ بیرونی حملوں، ملکی بغاوتوں اور خود قلعۂ معلے کی اندرونی سازشوں نے عظیم مغل سلطنت کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔ دلی جو ساٹھ سو برس تک ہندوستان ہی کا نہیں تمام عالمِ اسلامی کا "دھڑکتا ہوا دل" بنی رہی تھی اب اس کی شکستگی بھی دیدنی ہو چکی تھی۔

کبھی یہ شہر عالم میں انتخاب ہی نہیں تھا بلکہ اس دربار کے رہنے والے بھی منتخب روزگار ہوتے تھے۔ اب اس کی محفل لٹتی اور برابر اٹھتی چلی جا رہی تھی۔ بہت سے شرفا نے گھر چھوڑ دیئے تھے۔ بے شمار صاحبانِ کمال کو زمانہ کی بے رحم ٹھوکروں نے کہیں سے کہیں پہنچا دیا تھا۔ اس پر بھی یہاں اس وقت اور اس کے کچھ دنوں بعد تک مغل سلطنت کی مٹتی ہوئی عظمت کے سایہ میں شعر و ادب، علم و فن اور زہد و ورع کے وہ چراغ روشن تھے کہ بے اختیار عہدِ شاہجہانی کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی تھی۔ اس انجمن درہم برہم کا ہر فرد اپنی ذات سے ایک انجمن تھا۔ شعر و ادب کی دنیا میں مومن و غالب جیسی شخصیتیں ابھر رہی تھیں۔ علم و فضل کی محفل میں مفتی صدر الدین خاں آزردہ اور حضرت مولانا مولوی عبد الحق صاحب محدث دہلوی کا استقبال کیا جا رہا تھا۔ اور ان سب کے علاوہ حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان عالی شان کے چشم و چراغ موجود تھے۔ جنہیں دیکھ کر احساس ہوتا تھا

این خانہ ہمہ آفتاب است

اور اس معلم اعظم حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح کا خاندانی مدرسہ (واقع کلاں محل دہلی)، تو وہ منبع علم و عرفان تھا کہ جس کی نظیر عالم اسلامی میں کہیں اور مشکل ہی سے ملے گی۔ تعلیم دینے والوں کو دیکھیے تو شاہ عبد العزیز رح۔ شاہ رفیع الدین رح، شاہ عبد القادر رح۔ شاہ محمد اسحاق رح جیسے محدثِ زمانہ، معلم روزگار

اور مجتہد دوراں نظر آئیں گے۔ اور طلبہ پر نظر ڈالئے تو حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ حضرت سید احمد صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی والد محترم مولانا محمد یعقوب صاحب رح نانوتوی - حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب رح مصنف دفتر ہفتم مثنوی مولانا روم و حضرت مولانا شیخ محمد صاحب رح تھانوی۔ و حضرت مولانا مظفر حسین صاحب رح کاندھلوی۔ و حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رح نانوتوی و حافظ رحمۃ اللہ صاحب رح کیرانوی۔ و حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رح نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند وغیرہ جیسے اکابر ملیں گے۔ جنہوں نے اس گہوارۂ علم و عرفان سے اکتساب نور کر کے ساری دنیائے اسلام میں علوم دینی و فیوض باطنی کے وہ چاند ستارے بکھیر دیئے جن کی روشنی آفتاب و ماہتاب کو بھی شرماتی ہے۔ آج دار العلوم دیوبند۔ مظاہر العلوم سہارن پور۔ مدرسہ شاہی مراد آباد۔ مدرسہ عالیۃ العربیہ ڈابھیل و مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ (قائم کردہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ صاحب رح کیرانوی) وہ چراغ ہیں جن پر علوم اسلامی کے پروانے دور و نزدیک سے آکر دیوانہ وار گرتے ہیں۔

حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ عبد العزیز قدس سرۃ الشریف کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ہوگا۔ اور آپ کے ساتھیوں میں سے سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ضرور ہوں گے۔ چونکہ سید صاحب نے ۱۲۰۶ھ میں یعنی قریباً بیس برس کی عمر میں تحصیل علوم و سلوک کی غرض سے حضرت شاہ عبد العزیز رح کی خدمت اقدس میں

لہ حاشیہ کے لیے تر تیا ۱۰ سطر

میں حاضری دی قریب قریب یہی زمانہ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کا حصیلِ تعلیم کی غرض سے قیامِ دہلی کا ہے۔ یا ہونا چاہیئے۔ چونکہ آپ کا اور سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سالِ پیدائش ایک ہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس زمانۂ قیامِ دہلی میں حضرت میاں جیو رح پیپل والی مسجد میں رہتے تھے جو زینت المساجد نامی تاریخی مسجد سے متصل ہے۔ حضرت میاں جیو رح نے کتنے دنوں اور کہاں تک اپنے قابلِ فخر استاد والا نژاد سے عربی و دیگر علوم پڑھے اس کے متعلق جیسا کہ حرفِ اول میں بیان کر چکا ہوں صحیح معلوم نہیں ہو سکا۔ بہر حال یہ بات بالکل واضح ہے کہ آپ بہت جلد علمِ سفینہ سے علمِ سینہ کی طرف راغب ہو گئے۔ اور تکمیل درسیات و تحصیل علوم متداولہ نہ کرتے ہوئے راہِ سلوک کے ایک گرم رو مسافر بن گئے اور جوہرِ اندیشہ کی گرمی نے اپنی جولانیاں دکھانے کے لیئے تصوف و طریقت کے صحرائے ناپید اکنار کو انتخاب کر لیا۔ ہو سکتا ہے کہ خود آپ کے استاد کامل کی صحبت نے آپ کو یہ نکتہ سمجھا دیا ہو کہ علمِ حق ذوق و وجدان سے حاصل ہوتا ہے محض کتابوں سے نہیں۔ چونکہ ان کتابوں میں تخمین و ظن اور قیاس و رائے کے سوا اور کیا ہوتا ہے۔ اسی لیئے اقبال نے کہا ہے۔

بندۂ تخمین و ظن کرمِ کتابی نہ بن
عشق سراپا حضور، علم سراپا حجاب

ظاہری طور پر کسی دنیاوی ضرورت اور مجبوری نے بھی آپ کو سلسلۂ تعلیم

کے ترک کرنے پر آمادہ کیا یا نہیں۔ قرائن وقیاسات سے بھی اس کا پتہ نہیں چلتا عجب نہیں کہ اسی دوران میں آپ کی شادی کردی گئی ہو۔

ملازمت دہلی سے سلسلۂ تعلیم ترک کرنے کے بعد آپ جھنجھانہ واپس آگئے۔ کچھ زمانہ تک یہیں قیام رہا۔ اس کے بعد آپ نے قصبہ لوہاری جلال آباد میں بچوں کو قرآن پاک اور فارسی کی تعلیم دینے کے لئے ملازمت کرلی۔ اس وقت کے اعتبار سے آپ کی تنخواہ دو روپیہ ماہوار تھی اور آپ کے لئے کھانا ایک متمول خاتون اقبال بیگم کے گھر سے آتا تھا۔ آپ کبھی کبھی جمعرات کو لوہاری سے جھنجھانہ چلے آتے تھے۔ جمعہ کا دن دولت کدہ[1] پر بسر ہوتا تھا۔ آپ کی اہلیہ محترمہ دیگر اعزہ و اقرباء کے ساتھ جھنجھانہ ہی رہتی تھیں۔ ہفتہ کے روز آپ جھنجھانہ سے لوہاری واپس تشریف لے جاتے اور یہاں سے وہاں تک کا سفر ایک گھوڑی پر کرتے۔ جو آپ کی ملکیت تھی۔

---

[1] جھنجھانہ میں حضرت کا مکان محلہ پیرزادگان (متصل نیلا روشنہ) مسجد چشتی کے قریب تھا۔ جس کا ایک کوٹھا اور ایک سہ دری ہنوز بجنسہٖ موجود ہے۔ قصبہ لوہاری میں آپ کا ایک حجرہ میں قیام رہتا تھا۔ جو اب بھی اسی حالت میں ہے۔

حلیہ مبارک یہ تھا۔ پستہ قد، نحیف الجثہ۔ گندمی رنگ، آنکھیں نہ چھوٹی نہ بڑی اوسط درجہ کی۔

لباس۔ نیلا تہہ بند۔ گیروا کرتہ۔ دوپلی ٹوپی۔

بیعت - و بیعتِ جہادی

سطورِ سابقہ میں اس امر کی جانب اشارہ کیا جاچکا ہے کہ ابھی آپ کی تعلیم وتدریس کا سلسلہ باقاعدہ طور پر ختم نہ ہوا تھا کہ آپ سلسلۂ سلوک کی طرف راغب ہوگئے۔ جس میں آپ کے پیر و مرشد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی پنجتاری ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رح یا ان کے کسی بھائی کی خدمت میں رہنے اور ان سے کسبِ فیض کرتے ہوئے شاہ عبدالرحیم صاحبؒ ولایتیؒ کی جانب رجوع کیسے ہوئے۔ اس کی وجہ خود شاہ صاحبؒ کی جانب سے کوئی اشارۂ خصوصی معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ شاہ صاحبؒ کی متاعِ دین و دانش کی وسعت اور عظمت، بصیرتِ حق شناسی و حق آگاہی کا یہ عالم تھا کہ جب حضرت سید احمد صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ آپ کی خدمت میں بغرضِ تحصیلِ علم و تکمیلِ سلوک حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا۔ "آپ کے خاندان میں تو منصبِ ولایت موروثی ہے انشاءاللہ العزیز آپ بھی اپنے آباؤ اجداد کی طرح رتبۂ خصوصی پر فائز ہوں گے"۔

(نقشِ حیات)

۱۸۱۶ء میں سید شہید رحمۃ اللہ علیہ بعمر ۳۲ سال شاہ عزت مآب ؒ سے بیعت ہوئے۔ اور تعلیم آپ کے چھوٹے بھائی شاہ عبدالقادر ؒ سے حاصل کی۔ ۱۸۱۸ء میں مجبو خلافت پر فائز ہوئے۔ اور حضرت شاہ صاحب ؒ اور آپ کے برادر عزیز شاہ عبدالقادر رحمہ نے اپنے اعزا و احبا کو اپنے بجائے سید شہید رح سے رجوع کرنے کی ہدایت فرمائی۔ دراں حالیکہ سید صاحب خود اس خاندان دین پناہ کے نعمت پروردہ تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ باوجودیکہ سید صاحب سے عمر اور علم میں بڑے تھے۔ سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ نیز حضرت مولانا عبدالحیٔ صاحب ؒ و مولانا وجیہ الدین صاحب ؒ و حضرت مولانا محمد یوسف صاحب ؒ نبیرہ شاہ اہل اللہ رح نے بھی آپ سے رجوع فرمایا۔

ہو سکتا ہے کہ اسی طرح حضرت میاں جیو رح کے رجحان طبع سے واقف ہونے کی وجہ سے حضرت شاہ عزیز ؒ نے انہیں شاہ عبدالرحیم صاحب ؒ ولائتی سے رغبت و رجوع کا مشورہ دیا ہو۔ اس قیاس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو حضرت میاں جیو ؒ کے خلیفۃ الاعظم حاجی امداد اللہ صاحب نے مومن دہلوی مرحوم سے نقل کیا ہے۔

"مومن خاں صاحب مومن دہلوی مجھ سے فرماتے تھے کہ ایک بار چند حضرات شاہ عبدالعزیز رح سے حدیث پڑھ رہے تھے۔ تذکرہ اکابرین کا آگیا۔ ہم لوگوں نے عرض کیا اب بھی کوئی ایسا ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا

کہ پرسوں کو ہمارے پاس فلاں حلیہ کا ایک شخص مسئلہ دریافت کرنے آئے گا۔ وہ مردِ کامل ہے اور سمت اور وقت بھی معین کر دیا۔ ہم لوگ روز موعودہ میں زینت المساجد میں کہ کنارے جمنا کے واقع ہے ان کے اشتیاق میں بیٹھے تھے۔ وقت مقررہ پر دریا کے کنارے اس حلیہ کے ایک بزرگ نمودار ہوئے اور سب ان کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ وہ بزرگ شاہ عبدالرحیم صاحبؒ ولائتی تھے۔ ایک اور واقعہ بھی اس کی تائید میں موجود ہے کہ شاہ صاحبؒ کے خاندان عالیشان کے افراد و امجاد شاہ عبدالرحیم صاحب رح کی نسبت کو ہر طرح کامل سمجھتے تھے۔ چنانچہ ارشادِ محمدی میں حضرت میاں جیو رح کے مرید خاص مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی رح فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت استاذ مولانا شیخ المشائخ آفاق شاہ محمد اسحاق دہلوی رح نے جو حضرت شاہ عبدالعزیز رح کے بھائی ہیں مجھ پر توجہ فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ اکبر تمہاری نسبت میں بڑی فراخی ہے۔ اور تم کو کچھ احتیاج اکتساب باقی نہیں رہی۔

بہر نوع حضرت نور الاسلام میاں جیو نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ عبدالرحیمؒ ولائتی بنجاری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت فرمائی اسی کے ساتھ

ئے حضرت شاہ عبدالرحیم ولائتی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ایک ڈوم آپ سے بیعت ہوا۔ اس نے عرض کیا کہ مجھ کو کوئی وظیفہ بتلائیے۔ حضرت نے کسی امرِ شنیع سے منع نہیں فرمایا۔ صرف یہ کہا کہ جب اذان کی آواز سنو اسی وقت نماز میں شامل ہو جایا کرو (باقی صفحہ ۴۲ پر)

اپنے دادا پیر مولنا عبدالباری رح کی خانقاہ واقع امروہہ میں بھی قیام فرمایا ہوگا۔ اور تکمیل سلوک کی ہوگی۔ چونکہ حضرت مولانا عبدالباری صاحب رح اس وقت حیات تھے اس لئے ممکن ہے کہ آپ نے ان سے بھی فیوض باطنی حاصل کئے ہوں۔ جو کچھ بھی ہوا ہو آپ کے باقاعدہ پیرومرشد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب ولائتی رح ہیں اور انہوں نے ہی آپ کو (سلسلۂ چشتیہ میں) خلعتِ خلافت سے نوازا۔

آپ اور آپ کے مرشد کامل نے حضرت سید احمد صاحب شہید رح کے ہاتھ پر جو تجدید بیعت (جہادی) فرمائی وہ بھی اس سلسلہ میں بڑی اہم اور دوررس نتائج وہمہ گیر اثرات کی حامل ہے۔

حضرت سید شہید رح کی پیدائش بابرکات کے سن اور سال کا ذکر حضرت میاں جیو رح کی ولادت باسعادت کے ساتھ ہوچکا۔ آپ مقام تکیہ متصل رائے بریلی (صوبہ اودھ) سادات کے معزز خاندان میں پیدا ہوئے تھے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۱) چاہے جس شغل میں ہو اسے ترک کر دیا کرو۔ بعض معتقدین نے عرض کیا کہ اس کو گانے بجانے سے کیوں منع نہیں فرمایا۔ فرمانے لگے کہ میرے دل میں القا کیا گیا اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ اس ڈوم نے حضرت کے حکم کو اپنے اوپر واجب کر لیا اور بغور سننے اذان کے مسجد میں چلا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب گانے کا وقت ہوتا تھا تو کسی سے کہہ دیتا تھا کہ اذان ہو تو مجھے بتلا دینا ایسا نہ ہو کہ شوروغل میں اذان نہ سنوں اور حضرت کے حکم کی تعمیل نہ ہو سکے تھوڑے دنوں میں وہ ڈوم سب باتیں ترک کر کے حضرت کی خدمت میں آ بیٹھا (ماخوذ از شمائم امدادیہ)۔

جیساکہ ابھی چند سطور پیشتر عرض کیا گیا آپ نے تکمیلِ سلوک وتحصیل تعلیم شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہ کر کی تھی۔

سید شہید رح کی شخصیت بڑی انقلاب آفریں شخصیت تھی۔ آپ کی طبیعت پر حمیتِ دین وغیرتِ اسلامی کا غلبہ تھا اور شاہ عبدالعزیز رح کی صحبتِ صالح اور نظر کیمیا اثر نے اسے عزم وعمل اور جوشِ جہاد میں بدل دیا تھا آپ کے جذبۂ آزادی کا اظہار اس واقعہ سے بھی ہوسکتا ہے کہ آپ نواب محمد امیر والیٔ ٹونک کی فوج میں ملازم تھے۔ ۱۸۱۸ء میں جب کہ نواب نے انگریزوں سے صلح کے لئے نامہ و پیام شروع کیا تو سید صاحب ان کی نوکری چھوڑ کر اپنے پیرو مرشد کی خدمت میں دہلی حاضر ہوگئے۔ (نقشِ حیات) اس زمانہ میں ہندوستان جنت نشان پر مغربی اقتدار کے بڑھتے ہوئے سائے بہت گہرے ہوچکے تھے۔ شاہ عالم کی سلطنت تو دہلی سے پالم تک بھی تھی ان کے جانشین اس سے بھی زیادہ محروم القوت تھے۔ اس سیاسی زوال نے مسلمانوں کے اقتصادی واخلاقی زوال کی رفتار بھی بہت تیز کردی تھی۔ اس صورت حال کو عامۃ المسلمین کے علاوہ عزلت گزیں مشائخِ طریقت بھی اپنی غیرت دینی اور حمیتِ اسلامی کے لئے ایک لمحۂ فکریہ بلکہ ایک تقاضہ سمجھتے تھے۔ اس بارے میں شاہ عبدالعزیز رح کے جذبات وخیالات ان کے عربی اشعار اور فارسی خطوط سے ظاہر ہیں۔ خود حضرت سید شہید رحمۃ اللہ علیہ کے وہ مکتوبِ گرامی جو انہوں

نے ریاست گوالیار کے مدار المہام اور ایک مسلمان عہدہ دار غلام حیدر خاں کو لکھے ہیں۔ ایک تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔[1]

ان خطوط سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت کے اہلِ غیرت و حمیت مسلمان ہندوستان پران بیگانگانِ بعید الوطن اور تاجرانِ متاع فروش (انگریزوں) کے اقتدار کو کس نظر سے دیکھتے تھے۔ مسلمان عوام بھی اس جذبہ سے خالی نہ تھے اور ہندوستان کی آزادی کے لئے سرفروشانہ جدوجہد کرنے اور قربانی کو اپنا فریضۂ دینی اور حقِ وطنی سمجھتے تھے۔

چنانچہ جب حضرت سید احمد رح نے اپنے رفقاء عزیز جناب مولانا محمد اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا عبد الحیٔ صاحب بوڑھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اپنی تحریکِ تبلیغ دین اور تلقینِ جہاد کی ابتدا کی تو دور و نزدیک کے مسلمانوں نے پورے جوش و خروش اور ذوق و شوق کے ساتھ اُسے لبیک کہا مولانا ابو الحسن علی ندوی فرماتے ہیں کہ اس وقت لوگوں کے رجوع اور اہلِ طلب

---

[1] ایک اور بزرگ شیخ شاہ صابر بخش نے تو یہاں تک کیا کہ پہلے تو اکبر شاہ ثانی بادشاہ قلعۂ معلّٰی کو ایسٹ انڈیا کمپنی کا مقابلہ کرنے کے لئے آمادۂ جہاد کرنا چاہا جب بادشاہ نے اپنی کمزوری کا عذر پیش کیا تو انہوں نے بادشاہ سے ترکِ تعلق کر لیا اور کہا۔ اب سے میں اپنے احاطہ کو دار الاسلام قرار دیتا ہوں۔ آج سے میں اس سے باہر قدم نہ نکالوں گا اور جو کافر لعین اس میں میری اجازت کے بغیر داخل ہوگا اس کا سر اڑا دوں گا اور مر کر یہیں دفن ہوں گا۔

کے ہجوم کا یہ عالم تھا کہ پورے پورے شہروں میں تھوڑے ہی آدمی ایسے ہونگے جو توبہ و بیعت اور اس قافلۂ دین کی برکات سے محروم رہے ہوں گے۔

(ماخوذ: مسلمانوں کے زوال سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا)

پھر جب سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دی تو عوام و خواص فقیر و امیر سب نے اسے گرم جوشی کے ساتھ قبول کیا۔ کاشتکار ہل چھوڑ کر، تاجر دکانیں بند کر کے ملازم اپنے آقا کو سلام کر کے، امراء اپنے محلوں سے نکل کر، علماء اور مشائخ مسند درس و ارشاد چھوڑ کر ان کے ساتھ ہو گئے۔ اور کسی نے پلٹ کر اپنے گھر کی طرف نہ دیکھا۔

(ماخوذ از: مسلمانوں کے زوال سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا)

یہی تحریک جہاد اور تبلیغی جدوجہد کے سلسلہ میں جب سید صاحب کا گذر دوآبہ کے مشہور شہر سہارن پور میں ہوا تو مسجد ابو بنی میں آپ کی ملاقات شاہ عبدالرحیم صاحب ولائتی رحمہ سے ہوئی۔ نقش حیات میں اس تاریخی ملاقات کا ذکر حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبان صدق ترجمان کے حوالے سے ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

حضرت سید صاحب اپنے دورۂ تبلیغ میں حضرت شاہ حاجی عبد الرحیم صاحب ولائتی رح، پیر و مرشد حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقی ہوئے تو منجملہ اور لوگوں کے خود حضرت شاہ صاحب نے بھی حضرت سید احمد شہید رح کے ہاتھ پر بیعت

10200 7

فرمائی۔ (دراں حالیکہ وہ خود صاحب ارشاد مکمل تھے اور ہزاروں آدمی ان کے مرید تھے۔) اور فرمایا کہ واقعہ میں مجھے کسی کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی حاجت نہیں مگر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اسی میں ہی دیکھتا ہوں (نظر کشفی سے) اور اسی لئے بیعت ہوتا ہوں۔ پھر (خلوت ہوئی) اور دونوں حضرات فیوض روحانیہ کا اکتساب کرنے کے لئے حجرہ میں چلے گئے۔ جب نکلے ہیں تو سید صاحبؒ پر نسبت چشتیہ اور گریہ و بکا کا غلبہ تھا۔ اور حضرت حاجی شاہ عبدالرحیم ولائتی رح پر نسبت نقشبندیہ[1] کا۔ (نقش حیات)

---

[1] اس واقعہ کو صاحب سوانح قاسمی نے بڑی تفصیل اور تشریح سے لکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت سید شہید اپنے تبلیغی دوروں کے سلسلہ میں اس علاقہ کے مرکزی شہر سہارن پور تشریف فرما ہوئے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سہارن پور میں ایک مسجد جو بوبنی والی مسجد کے نام سے مشہور تھی حضرت سید احمد صاحب شہید رح اسی مسجد کے پاس سے گزرے تھے کہ اچانک ٹھٹھکے اور دریافت فرمایا کہ اس مسجد میں کوئی بزرگ رہتے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ فوراً مسجد میں آکر ان سے ملے اور اس کے بعد وہ عجیب وغریب واقعہ پیش آیا جس کا ذکر مقصود ہے۔ کہتے ہیں کہ بوبنی والی مسجد میں جو صاحب تھے ان کا نام شاہ عبدالرحیم صاحب ولائتی تھا۔ یہ پہلے بنجلاسہ مشرقی پنجاب کے ایک بزرگ کے جن کا نام شاہ رحم علی تھا مرید ہوئے تھے۔ اور ان کے زیر تربیت رہ کر کالا آم پہاڑ میں بڑی سخت ریاضتیں کی تھیں مگر ان سے مجاز نہ ہو سکے۔ تب امروہہ پہنچ کر حضرت شاہ عبدالباری صاحب رح سے مرید ہوئے

(باقی صفحہ ۴۷ پر)

حضرت عبدالرحیم صاحب رحہ نے اپنے مرید خاص قاضی حکیم مغیث الدین صاحب سہارن پوری و حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کو بھی جھنجھانہ سے بلوا کر حضرت سید شہید رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کرائی۔ کہتے ہیں کہ جس وقت

(بقیہ حاشیہ ص ۴۶) اور ان کی تعلیم و تربیت سے مستفیض ہو ہی رہے تھے کہ ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ اور خلافت کی سند ان سے بھی نہ مل سکی۔ سہارن پور میں آکر بونی مسجد میں قیام فرمایا تھا کہ اچانک دولتِ بیدار خود ان کے سرہانے آگئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ملنے کے ساتھ ہی خلوت ہو گئی۔ پھر بڑے بڑے قضیے درمیان میں پیش آئے۔ آخر نتیجہ یہ ہی تھا کہ دو پیروں سے مرید ہوئے۔ اور باضابطہ تعلیم پانے کے بعد بھی سید صاحب کے دست حق پرست پر شاہ عبدالرحیم صاحب رحہ نے بیعت فرمائی۔ اور اجازت بھی ان کو سید صاحب شہید سے ہی حاصل ہوئی۔

(نوٹ) مجھے سید مناظر احسن صاحب گیلانی کے اس خیال سے مؤدبانہ اختلاف ہے کہ شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی رحہ کو شاہ عبدالباری سے خلافت و مجاز حاصل نہیں ہوا تھا۔ یہ بیعت جیسا کہ نقشِ حیات میں تحریر ہے صرف اس وجہ سے تھی کہ حضرت سید صاحب اس وقت امیر جماعت اسلام تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کے نتیجہ میں حضرت حاجی صاحب رحہ پر نسبتِ نقشبندیہ کا غلبہ ہو گیا۔ اور اسی کے ساتھ سید صاحب پر نسبت چشتیہ کا۔ مگر اس کی وجہ سے شاہ عبدالرحیم اُن کے (سید صاحب کے) خلیفہ نہیں ٹھہرتے۔ جیسا کہ نقشِ حیات میں مذکور ہے۔ جس وقت یہ بیعت ہوئی اس وقت بھی حضرت شاہ صاحب کے ہزاروں مرید موجود تھے۔ اور بقول آپ کے آپکو کسی سے بیعت کی ضرورت نہ تھی۔ پھر گیلانی صاحب قبلہ کا یہ فرمانا کہ اجازت بھی انکو سید صاحب سے ملی کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

آپ کے پیرو مرشد کا پیغام لے کر ان کا آدمی جھنجھانہ پہنچا۔ تو حضرت اپنی گھوڑی کا رسہ ہاتھ میں لئے ہوئے اسے پانی پلا رہے تھے۔ یہ پیغام سنتے ہی حضرت پر ایک کیفیت طاری ہوئی۔ اور گھوڑی بھی لوٹ پوٹ ہونے لگی۔ یہاں تک کہ اس کی بری حالت ہوگئی۔ آپ سہارن پور پہنچے۔ اور اپنے پیرو مرشد کی تقلید اور پیروی حکم کرتے ہوئے سید صاحب سے بیعت ہوئے۔

جب حق پرستوں کا یہ قافلہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے پنجاب بالاکوٹ پہنچا تو حضرت میاں جیو بھی اپنے پیرو مرشد حضرت شاہ عبدالرحیم رح اور سید صاحبؒ کے ساتھ تھے۔ اور جہاد میں شریک ہوئے۔ مگر بعد میں کسی مآل اندیشی اور مصلحت کے پیش نظر خود آپ کے ہردو مرشدوں نے آپ کو واپسی وطن کا حکم دیا اور آپ لوہاری تشریف لے آئے۔[1]

[1] اور ان سرفروشوں کی آخری جماعت نے بالاکوٹ کی تنگ اور سنگلاخ گھاٹی میں ان پتھروں اور چٹانوں کے درمیان جن میں مسافروں کا چلنا بھی آسان نہیں اپنے سے دس گنا حریف کے مقابلے میں جان دی۔ (مسلمانوں کے زوال سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا صفحہ ۲۳۰)

حیاتِ باکرامات

قصبہ لوہاری میں آپ بحیثیت ایک معلم کام کرتے رہے اور دستور الاحوال رہے۔ آخر شیخ العرب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی مہاجر مکی و مدنی رح ایک عجیب طریقہ سے آپ کے مرید ہوئے۔ اور آپ کے جلووں کو عام کرنے کا باعث بنے۔ آپ اس واقعہ کو مصنف شمائم امدادیہ کی زبان سے سنئے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے مطالعۂ مثنوی مولانا روم کو بطور ورد کے معمول بنالیا تھا۔ خاطرِ اقدس کو ایک حرکتِ بلیغ پیدا ہوتی تھی۔ اور جوش و خروش باطنی آئینۂ چہرۂ انور سے ظاہر ہوتا تھا۔ اور داعیۂ سلوک صامت سینہ صفت گنجینہ میں جلوۂ اضطرار ڈالتا تھا۔ کہ ایک دن آپ نے خواب دیکھا کہ مجلسِ اعلیٰ حضورِ اقدس سرورِ دو عالم مرشدِ اتم صلے اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوں۔ غایتِ رعب سے قدم آگے نہیں بڑھتا ہے۔ ناگاہ میرے جدِ امجد حضرت شاہ بلاقی صاحب تشریف لائے۔ اور میرا ہاتھ پکڑ کر حضورِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچا دیا۔ اور آنحضرت صلعم نے میرا ہاتھ لے کر حضرت میاں جیو نور محمد صاحب علوی جھنجھانوی

چشتی رح کے حوالے کر دیا ۔ اس وقت بعالم ظاہری حضرت میاں جیو صاحب سے
کسی طرح کا تعارف نہ تھا ۔ بیان فرماتے ہیں کہ جب میں بیدار ہوا عجیب انتشار
وحیرت میں مبتلا ہوا ۔ کہ یا رب یہ کون صاحب بزرگوار ہیں کہ آنحضرت صلعم نے میرا
ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیا ۔ مجھ کو خود ان کے سپرد فرما دیا ۔ اسی طرح کئی سال
گزر گئے ۔ کہ ایک دن استاذی حضرت مولانا محمد قلندر شاہ صاحب محدث
جلال آبادی نے میرے اضطرار کو دیکھ کر بکمال شفقت فرمایا کہ تم کیوں پریشان
ہوتے ہو ۔ موضع لوہاری یہاں سے قریب ہے ۔ وہاں چلے جاؤ اور حضرت میاں
جیو سے ملاقات کرو ۔ شاید مقصد اصلی کو پہنچو ۔ اور حیص بیص سے نجات پاؤ ۔
حضرت حاجی صاحب فرماتے ہیں کہ جس وقت میں نے حضرت مولانا سے یہ سنا متفکر
ہوا ۔ اور دل میں سوچنے لگا کہ آخر کیا کروں ۔ فوراً سفر لوہاری اختیار کیا ۔ شدتِ
گرمی و سفر سے حیران و پریشان چلا جاتا تھا یہاں تک کہ پیروں میں آبلے
پڑ گئے ۔ بارے بہ کشش و کوشش آستانہ شریف پر حاضر ہوا ۔ اور جیسے ہی دور
سے جمال باکمال جناب والا ملاحظہ کیا صورت انور کو کہ خواب میں دیکھا تھا ۔
بخوبی پہچانا اور محو خود رفتگی ہو گیا ۔ اور آپے سے گزر گیا ۔ اور افتاں و خیزاں
ان کے حضور میں پہنچ کے قدموں پر گر پڑا ۔ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ نے
میرے سر کو اٹھایا ۔ اپنے سینہ نور گنجینہ سے لگایا اور بکمال رحمت و عنایت فرمایا
کہ تم کو اپنے خواب پر کامل وثوق ہے ۔ یہ پہلی کرامت منجملہ کرامات حضرت میاں جیو

رحمۃ اللہ علیہ کے ظاہر ہوئی اور دل کو بکمال استحکام مائل بجود کیا۔ الحاصل ایک مدت تک خدمت با برکت حضرت میاں جیو نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں حلقہ نشین رہا اور تکمیل سلوکِ طرقِ اربعہ عموماً اور طریق چشتیہ صابریہ خصوصاً کیا اور حضرت سے خرقۂ خلافتِ تامہ اور اجازتِ خاصہ و عامہ سے مشرف ہوا۔ بعد عطائے خلافت حضرت میاں جیو صاحبؒ نے فرمایا کیا چاہئے ہو۔ تسخیر یا کیمیا۔ جس کی رغبت ہو تم کو بخشوں۔ میں یہ سن کر رونے لگا اور عرض کیا کہ دنیا کے واسطے آپ کا دامن نہیں پکڑا ہے۔ خدا کو چاہتا ہوں وہی مجھ کو بس ہے۔ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ یہ جواب با تمکین سن کر بہت مسرور و خوش مزہ ہوئے۔ اور مجھ کو بغل گیر فرما کر علوئے ہمت پر آفرین کی اور دعائے جزیلہ و جمیلہ دیں۔[۱]

جس طرح دربارِ نبوی سے آپ کو حضرت میاں جیو رح کی مریدی کا شرف بخشا گیا اسی طرح درگاہِ نبوی سے آپ کو حضرت کے خلیفۂ خصوصی کا رتبۂ عالیہ اور اخذِ بیعت کے لیے عمامۂ امامتِ امت عطا ہوا۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحب رح فرماتے ہیں کہ میں نے درمیان روضۂ شریف و ممبر کریمہ کہ روضۂ من ریاض الجنۃ اس کی شان ہے، مراقبہ کیا۔ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم قبر مقدس سے خود بصورت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ نکلے اور ایک لپٹا اور بھیگا ہوا

---

[۱] شمائم امدادیہ ص ۱۵-۱۴۰

ہوا عمامہ اپنے دست مبارک میں لئے ہوئے تھے، جو میرے سر پر غایت
شفقت سے رکھ دیا اور واپس تشریف لے گئے۔ مصنف شمامہ امدادیہ
کہتے ہیں کہ یہ عبارت ہے اجازت مطلقہ آنجناب رسالت مآب صلعم سے۔ اور
بھیگا ہوا عمامہ اشارہ ہے طرف سلوک بعد جذب وتمکین بعد تکوین وبقا بعد
فنا کے۔ نیز یہ مجموعہ اشارہ واپسیٔ وطن کا ہے۔ (از شمامہ امدادیہ)

حضرت حاجی امداداللہ صاحب رح کے حضرت میاں جیو رح سے بیعت
ہونے کے واقعہ کی طرح آپ کے ایک دوسرے شاگرد رشید وخلیفہ حافظ
ضامن صاحب تھانوی رح کا واقعۂ ارادت بھی بہت دلچسپ ہے۔

جب حضرت حاجی صاحب رح حضرت میاں جیو سے بشارتِ غیبی پاکر
مُرید ہوگئے تو انہوں نے اپنے مرید ہونے کا واقعہ حضرت حافظ ضامن صاحب
سے بیان کیا۔ حضرت میاں کا ذکر اور حضرت حاجی امداداللہ رح کی زبانی۔ نتیجہ
یہ ہوا کہ حافظ ضامن جیسا شوخ طبع بھی حضرت کا نادیدہ عاشق زار وپرستار
بن گیا۔ اور حضرت سے ملاقات کرنے کا جوش اور ولولہ ان کے دل میں پیدا
ہوا۔ حاجی صاحب سے آپ کی جائے قیام معلوم کی۔ حاجی صاحب نے بتلایا کہ وہ
لوہاری کی جامع مسجد میں بچوں کو قرآن پڑھاتے ہیں اور اصل وطن جھنجھانہ ہے
اور جھنجھانہ کا پتہ یہ ہے۔ محلہ پیرزادگان، مکان متصل مسجد چشتی صاحب رح
مسجد کے پاس دھوبی رہتے ہیں ان سے معلوم کر لینا ــــ آپ لوہاری تشریف

لے گئے۔ معلوم ہو کہ حضرت میاں جیو جھنجھانہ تشریف لے گئے ہیں۔ حافظ صاحب نے جھنجھانہ کا رخ کیا۔ جب دھوبیوں کے محلہ میں پہنچے تو حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ مسجد چشتی کے سامنے ایک مزار کے قریب جو چشتی صاحب کے نام سے مشہور ہے تشریف فرما تھے۔ حافظ صاحب نے کہا۔ ارے دھوبی میاں جیو کا مکان کہاں ہے آپ نے فرمایا۔ میں کپڑوں کا دھونے والا نہیں دل کا دھونے والا دھوبی ہوں حضرت حافظ صاحب سمجھ گئے کہ یہ ہی حضرت میاں جیو ہیں فوراً قدم بوس ہوئے۔ اس کے بعد آپ کا معمول ہو گیا کہ اگر ہفتہ میں دو تین یوم تھانہ بھون میں قیام فرماتے تو تین چار روز حضرت کی خدمت میں گزارتے۔ آخر پورے ساڑھے تین سال کے بعد حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو شرف مریدی بخشا۔ بعد ازاں آپ کی توجہ خصوصی سے حافظ صاحب کہاں سے کہاں پہنچ گئے اور کیا سے کیا بن گئے (اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیے۔ (جو قاضی محمد ظفر صاحب سہارنپوری قاضی شہر نے (جو حضرت مولانا محمد اسمٰعیل منگلوری سے بیعت ہیں) اپنے والد بزرگوار قاضی محمد فضل الرحمٰن صاحب رح صاحب سہارنپوری سے جو خود حضرت حافظ ضامن صاحب رح تھانوی سے بیعت تھے) سنا تھا۔

"حضرت میاں جیو علوی رح جھنجھانوی کے ایک تعلیمی دوست دہلی میں رہتے تھے۔ یہ دونوں حضرات سال بھر میں ایک دوسرے سے ملتے تھے یعنی کبھی میاں جیو صاحب ان سے ملنے جاتے تھے۔ کبھی وہ خود میاں جیو صاحب رح سے

ملنے آتے تھے۔ ایک بار حضرت ان سے ملنے کے لئے دہلی تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ حافظ ضامن صاحب رح بھی تھے۔ ملاقات کے بعد ان دوست صاحب نے حضرت سے دریافت کیا۔ کہو امسال کتنے تیار کئے۔ حضرت میاں جیو نے حافظ صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہاں تو یہی ایک ہیں۔ انہوں نے کہا۔ جا میرے یار مدرسہ میں بھی تعلیم میں پھسڈی تھا اور اب بھی ہے۔ دیکھ یہاں تو اس سال بیس تیار کئے ہیں۔ حضرت حافظ صاحب کو اپنے مرشد کے متعلق یہ توہین آمیز الفاظ ناگوار گزرے۔ اور آپ جامع مسجد کے حوض پر وضو کرنے بیٹھ گئے۔ ابھی داہنا پیر دھو ہی رہے تھے کہ حضرت کے ان دوست کو گھبراہٹ محسوس ہوئی۔ تو حضرت میاں جیو نے فرمایا۔ گھبراؤ نہیں۔ ہم اپنے باؤلے کو خود سمجھالیں گے۔ بایاں پاؤں بغیر دھوئے ہوئے حضرت میاں جیو نے حضرت حافظ صاحب کو بلا لیا۔ حافظ صاحب امتثال حکم کے طور پر وضو نا تمام چھوڑ کر حاضر ہوئے۔ اور ان بیس والے حضرت سے فرمایا کہ آپ کے بیسوں تو کورے ہیں۔ کیونکہ حافظ صاحب نے ان بیسوں کی نسبت سلب کر لی تھی۔

یہاں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رح کا ایک واقعہ بیان کر دیا جائے تو دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ حاجی صاحب فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ صحرا میں پھر رہا تھا۔ ایک جھاڑی میں کچھ آثار آدمی کے معلوم ہوئے۔ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ حافظ غلام مرتضیٰ صاحب مجذوب پانی پتی ہیں۔ مجھ کو دیکھ کر بیٹھ

گئے میں بھی بیٹھ گیا ۔ مجھ پر توجہ جذب کی دینا شروع کی ۔ جب مجھے آثارِ جذب معلوم ہونے لگے میں نے حضرت پیرومرشد کا تصور کیا ۔ اسی وقت میرے اور ان کے درمیان حضرت پیرومرشد حائل ہوگئے ۔ مجذوب صاحب تبسم کرنے لگے ۔ میں نے عرض کیا مجھ کو آپ کی طرح دیوانگی پسند نہیں ہے ۔

یہ تھا حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کی نسبتِ کاملہ کا اثر کہ ایک کا پلہ نہیں پر بھاری ہے ۔ خواجہ میر درد نے خوب فرمایا ہے ؎

کرے ہے کچھ سے کچھ تاثیر صحبت صاف طبعوں کی
ہوئی آتش سے گل کی دیکھئے رشکِ شررِ شبنم

یہاں تو شبنم جیسی نازک و نفیس چیز کا ذکر ہے ۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے مشتِ گِل کے اوپر صحبتِ گل اور جمالِ ہم نشیں کے اثر کا واقعہ یوں بیان کیا ہے ؎

گلے خوشبوئے درحمام روزے — رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوئے دلآویز تو مستم
بگفتا من گلِ ناچیز بودم — ولیکن مدتے با گل نشستم
جمالِ ہم نشیں درمن اثر کرد — وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

جب جمالِ ہم نشیں کا یہ اثر مشتِ خاک پر ہوتا ہے تو مرشدِ کامل کی توجہ خصوصی کا اثر خدا کی پناہ کیا کچھ ہوتا ہوگا ۔ اس سلسلہ میں حضرت حاجی امداد اللہ

رح کی یہ روایت سنئے۔ حافظ محمود احمد صاحب تھانوی. داماد مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی ایک مرتبہ حضرت میاں جیو صاحب رح کی خدمت میں بعد بیعت کے حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ حضرت مجھے تصورِ شیخ کی اجازت دے دیجیے" تاکہ تصورِ شیخ کیا کروں۔ حضرت نے فرمایا کہ جب محبت غلبہ کرتی ہے تب تصورِ شیخ کون کرتا ہے غلبۂ محبت سے تصورِ شیخ خود بخود بڑھ جاتا ہے۔ حضرت کے اس فرمانے سے ایسا تصورِ شیخ ان پر غالب ہوا کہ ہر جگہ صورتِ شیخ کی نظر آتی تھی۔ چلتے پھرتے حیران ہو کر کھڑے ہو جاتے کہ صورتِ شیخ کی سامنے کھڑی ہے۔ جہاں قدم رکھتے ہیں وہاں بھی صورتِ شیخ موجود ہے، نماز میں سجدہ کی جگہ صورتِ شیخ دیکھ کر نماز کی نیت توڑ دیتے تھے۔ حضرت سے عرض کیا کہ اب تو نماز پڑھنی بھی مشکل ہو گئی۔ کس کی نماز پڑھیں جس طرح حضرت کی ادنیٰ توجہ سے یہ حالت پیدا ہوئی تھی اسی طرح جاتی رہی اور ایک نظر میں صحیح حالت ہو گئی۔ (شمائم امدادیہ)

تو مرشد کامل کی توجہِ خصوصی کا اثر خدا کی پناہ کیا کچھ ہوتا ہوگا۔ اور خود اس صاحب اثر و نفوذ کی کیا کیفیت ہوگی۔ حضرت میاں جیو کی اس کیفیتِ باطنی کا احوال حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سے خود اس فقیر حقیر مؤلف نے سنا ہے۔ ایک دفعہ مولانائے موصوف مولانا محمد یحییٰ صاحب تھانوی کے ہمراہ جھنجھانہ رونق افروز ہوئے۔ اور قاضی اشتیاق احمد صاحب مرحوم کے یہاں جو مولانا یحییٰ صاحب کے خسر ہوتے تھے۔ قیام فرمایا۔

دورانِ قیام میں آپ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ وزیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ میں بھی حضرت کے ساتھ فاتحہ پڑھنے گیا۔ حضرت مولانا نے فاتحہ کے بعد فرمایا کہ حضرت میاں جیو کے رتبہ کا اندازہ آپ حضرات اس سے لگائیں کہ جو کیفیت حضرت منصور پر صرف چند گھنٹے بلکہ چند منٹ طاری رہی تھی اور وہ اس کو برداشت نہ کر سکے اور انا الحق کہہ دیا وہی کیفیت حضرت میاں جیو پر برابر تیس سال تک مسلسل طاری رہی مگر اس قدر اعلیٰ ظرف رکھتے تھے کہ اُف تک نہ کی۔

غالب دہلوی نے اسی لئے تو کہا تھا ؎

گرنی تھی ہم پہ برقِ تجلی نہ طور پر
دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

یہ ہی آپ کا ظرف تھا کہ آپ اپنے زمانہ کے قطب الاقطاب تھے اور بقول مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدفیوضہم۔ آپ کے زمانہ میں ہندوستان کا دنیاوی پایہ تخت تو دہلی تھا۔ اور روحانی پایہ تخت لوہاری تھا۔ اب جس کو روحانی دنیا کی بادشاہت مل گئی اور جو قبلۂ روحانیاں بن گیا ہو اس کے ہاتھ میں کیا کچھ نہ ہو گا۔ اور اس کے ایک اشارۂ ابرو پر کرامت تو کیا قیامت کا ظہور ہو سکتا تھا۔ مگر آپ نے اس کا اظہار بہت کم ہونے دیا۔ اور کہیں کہیں تو ایسا بغیر ارادہ کے ہوا۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ:۔

حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کسی بات پر لوہاری کے خوانین پٹھانوں سے ناراض ہوکر جھنجھانہ تشریف لے گئے۔ حضرت کے لوہاری سے تشریف لے جانے کے بعد لوہاری کے اکثر محلوں میں آگ لگ جاتی تھی جس سے وہاں کے خوانین کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ آگ کا لگنا حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کی خفگی کے باعث ہے چنانچہ وہ لوگ جھنجھانہ پہنچے۔ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور حضرت کی خوشامد کرکے لوہاری واپس لے آئے۔ حضرت کی مراجعت کے بعد پھر کبھی آگ نہیں لگی۔ خوانین نے حضرت کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا کہ حضرت جب آپ لوہاری والوں سے خفا ہوکر جھنجھانہ تشریف لے گئے تھے تو یہاں مختلف محلوں میں اگ لگ جاتی تھی۔ اس کا کیا سبب ہے۔ حضرت نے جواب دیا۔ مجھے اور تو کچھ معلوم نہیں صرف لوہاری سے محبت کے باعث مجھے اس کا ماحول اور محلے یاد آتے تھے۔

آگ لگنے کا واقعہ تو آپ نے سن لیا۔ اب آگ بجھنے کا بھی سن لیجئے۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رح کے یہاں ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میاں جیو نور محمد صاحب علوی رح کی بعض بعض کرامتیں بھی عجیب و غریب ہیں فرمایا کہ جی ہاں۔ ایک مرتبہ کسی کے کھیت میں آگ لگ گئی کھیت والے نے حضرت سے آکر شکایت کی۔ آپ نے اپنی ٹوپی اتار کر دے دی کہ جلدی سے جاکر آگ میں ڈال دو۔ وہ نے جاکر آگ میں ڈال دی گئی۔ اور آگ فوراً۔ بجھ

گئی۔ (الافاضات الیومیہ جلد سوم صفحہ ۳۴۳)

آگ لگنے اور بجھنے کے ساتھ ساتھ بارانِ رحمت کے نزول کی حکایت بھی سن لیجئے۔ یہ حکایت فقیر مؤلف نے اپنے پھوپھا مولوی میاں محمد صاحب مرحوم سے جو حضرت میاں جیو کے حقیقی بھتیجے یعنی غلام حیدر صاحب کے لڑکے تھے سُنی تھی۔

حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایک مرتبہ بارش کی سخت کھینچ ہوئی۔ چند حضرات حضرت میاں جیو کی خدمت میں بغرض دعا حاضر ہوئے حضرت اس وقت گنا چوس رہے تھے۔ جب حضرت سے بارش نہ ہونے کی شکایت اور دعا کی درخواست کی۔ آنے والوں میں سے جو صاحب حضرت سے انتہائی بے تکلف تھے آپ نے اُن سے فرمایا کہ اگر تم میرے گنے کے چھلکے چوس لو تو انشاء اللہ بارش ہو جائے گی۔ ان صاحب کو پہلے تو گنے کے چھلکے چوسنے میں کچھ ندامت سی ہوئی۔ مگر آنے والوں کے اصرار پر ان صاحب نے حضرت کے چوسے ہوئے چھلکوں کو چوس لیا۔ جس پر ابرِ رحمت اٹھا۔ اور خوب زور سے بارش ہوئی۔

حصولِ دعا اور استمداد ہمت کا ایک اور دلچسپ واقعہ سنئے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جس وقت تھانہ بھون کی مسجد پیر محمد صاحب والی میں قیام فرمایا جو اب خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کے نام سے موسوم ہے اس وقت یہاں سہ دری نہ تھی۔ کچھ قبریں تھیں۔ کچھ درخت تھے اور اس جگہ ایک بزرگ بیٹھا کرتے تھے جن کا نام حسن علی شاہ تھا۔ صاحب سماع تھے مگر

دنیادار نہ تھے۔ جب حضرت حاجی صاحب یہاں تشریف لائے تو انہوں نے اتنا ادب کیا کہ خود اٹھ کر شاہ ولایت میں چلے گئے۔ حالانکہ اس وقت حضرت حاجی صاحب جوان تھے۔ اور یہ بوڑھے۔ ان کے جانے کے بعد حاجی صاحب یہاں رہنے تھے۔ حضرت میاں جیو رح بھی یہاں تشریف لایا کرتے تھے۔ یہاں ایک خاندان تھا ان کی زمین ضبط ہو گئی تھی اور وہ کوشش کر رہے تھے۔ حضرت میاں جیو کے پاس بھی وہ لوگ دعا کے واسطے حاضر ہوئے۔ حضرت نے فرمایا۔ میرے حاجی کو بیٹھنے کی تکلیف ہے۔ یہاں ان کے لئے ایک سہ دری بنوا دو۔ میں دعا کروں گا انہوں نے سہ دری بنوانے کا وعدہ کر لیا۔ انہوں نے دعا کی۔ وہ مقدمہ الہ آباد جا کر موافق ہو گیا جس کی اطلاع ایک خاص خط سے ہوئی۔ حضرت میاں جیوؒ سے تذکرہ کیا گیا۔ تو حضرت نے فرمایا۔ وعدہ بھی یاد ہے، انہوں نے کہا۔ حضرت پوری سہ دری بنوانے کی تو طاقت نہیں۔ آدھی بنا دیں گے۔ حضرت نے فرمایا بہت اچھا آدھی ہی سہی۔ پھر الہ آباد سے باضابطہ حکم آیا کہ تا حیات تو معاف۔ تمہارے بعد پھر ضبط۔ انہوں نے آ کر حضرت میاں جیو رح سے عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا تم نے آدھا ہی کیا ہے۔ میں کیا کروں۔ (ارواح ثلاثہ صـ۲۲۸)

جب اس سرچشمۂ فیوض و برکات سے دوسرے اس طرح مستفیض و مستنیر ہو رہے تھے تو اپنے کیوں محروم رہتے۔ حضرت کی اہلیہ محترمہ آنکھوں سے بالکل معذور تھیں۔ ایک بار جب حضرت میاں جیو کے یہاں کوئی تقریب تھی۔ مہمان

عورتوں اور بچوں کا ہجوم زیادہ تھا۔ حضرت کی اہلیہ محترمہ مہمانوں کی خاطر و مدارات میں مشغول تھیں مگر بینائی نہ ہونے کی وجہ سے سخت پریشان اور مشکل میں تھیں۔ حضرت سے بطور ناز کہنے لگیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ آپ ولی ہیں۔ کیا جانیں ہماری آنکھیں درست ہو جائیں۔ تب ہم جانیں۔ (غالب کی زبان میں) ؎

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی

مرے دل کی دوا کرے کوئی

حضرت میاں جیو باہر تشریف لے گئے اور دعا فرمائی۔ اتفاقاً حضرت پیرانی صاحبہ کسی طرف جا رہی تھیں۔ راستہ میں دیوار سے ٹکرا گئیں۔ غشی ہو گئی۔ اور گر پڑیں، تمام جسم پسینہ پسینہ ہو گیا۔ آنکھوں سے بہت پسینہ یا پانی نکلا۔ ہوش آیا تو قدرتِ خداوندی کا تماشہ دیکھا۔ دونوں آنکھیں کھل گئیں اور نظر آنے لگا۔ (امثالِ عبرت حصہ دویم صـ۳۶)

بیوی نے جو کچھ اپنے بنے سے مانگا وہ اسے مل گیا۔ بیوہ بھاوج کی مراد دیور کی دعا سے یوں پوری ہوئی۔

راقم مؤلف نے یہ روایت اپنے والد بزرگوار سے سنی اور انہوں نے اپنے والد مولوی فیض الحسن صاحب سے جو حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ کے حقیقی بھتیجے تھے۔

جب حضرت رح کے بڑے بھائی غلام ضامن صاحب کا انتقال ہو گیا

تو ان کی بھابی صاحبہ نے عرض کیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے بھائی چار روپیہ ماہوار کے ملازم تھے۔ بوجہ کثیر الاولاد ہونے کے گزر مشکل سے ہوتا تھا۔ اب ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ گذر اوقات کے لئے بڑی دشواری ہے۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالےٰ ان بچوں کو کسی لائق کر دیں۔ حضرت میاں جیو رح نے اپنے یتیم بھتیجوں کے سر پر شفقتِ پدرانہ کے ساتھ ہاتھ رکھا اور فرمایا۔ بھابی صاحبہ آپ کسی قسم کا فکر نہ کریں۔ انشاء اللہ یہ سب لائق ہوں گے۔ حضرت کی دعا سے ان کے سب بھتیجے لائق ہوئے۔ اس سے بڑی دولت جو آپ نے انتہائی محبت و شفقت سے اپنی بھاوج کو بخش دی وہ یہ تھی کہ اپنی اکلوتی صاحبزادی بی بی اللہ رکھی کی شادی اپنے بڑے بھتیجے حافظ مشتاق احمد صاحب سے کر دی۔ ان سے چھوٹے بھتیجے مولوی نور الحسن صاحب آپ کی دعا سے تحصیلدار ہوئے۔ مولوی فیض الحسن صاحب ہیڈ مدرس بنے جن سے بے انتہا تعلیمی فیض پہنچا۔ مشہور تھا کہ جس کے مولوی فیض الحسن صاحب کی ایک چھٹی لگ گئی وہ منشی ہو گیا۔ چوتھے بھتیجے منشی ابو احسن صاحب شہر کوتوال تھے۔ جو مرنے کے بعد آپ کی پائینتوں دفن ہوئے۔

آپ کی ایک اور عجیب و غریب پیش گوئی کا احوال سنئے۔ جس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ عارف کی نگاہ اس دنیا میں جنتی و دوزخی کو پہچان لیتی ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ رح بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے پیر و مرشد کے ساتھ میرے پیر بھائی شیخ امام الدین تھانوی جھنجھانہ گئے تھے۔ اور وہ زمانہ حضرت

کے مرض الموت کا تھا۔ جب شیخ صاحب اپنے وطن واپس آنے لگے تو حضرت نے فرمایا جسے دنیا میں جنتی دیکھنا ہو ان کو دیکھ لے۔

یہ کرامات ایک ہلکی سی جھلک ہیں۔ ایک دھندلا سا پرتو ہیں۔ اس جلوۂ طور اور اس مینارۂ نور کا جس کا ذکر حاجی امداد اللہ رحمہ نے ان الفاظ میں فرمایا ہے۔

میں ایک بار حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مرقدِ انور پر تین روز تک مقیم (بحالتِ مراقبہ میں) رہا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت قطب صاحب کے مزار مقدس سے ایک نور کا ستون بلند ہوا اور میرے پیر و مرشد حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کی جائے اقامت لوہاری پر جا کر جھک گیا۔ اور حضرت قطب صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ تمہارا مقصدِ دلی تم کو تمہارے مرشد سے ملے گا۔

اور جن کے متعلق ایک نہ کہنے کی بات اس طرح کہی گئی۔

ایک دن کرنال کے ایک عالم نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے عرض کیا کہ حضرت بزرگوں کا نقشہ سنتے ہیں کہ لوگوں نے ان کے ہاتھ پاؤں اور سر دھڑ کو الگ الگ (پارہ پارہ) دیکھا۔ آپ نے فرمایا۔ میرے ماموں صاحب تذکرہ کر رہے تھے کہ میں حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک دن دوپہر کے وقت گیا۔ حجرہ شریف بند تھا۔ مگر کواڑ اچھی طرح لگے ہوئے نہ تھے۔ کواڑ جو کھولا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت میاں جیو کا دھڑ سارا الگ الگ

مجھے دیکھتے ہی سب اعضا باہم مل گئے اور حضرت میاں جیو رح اٹھ بیٹھے۔ اور فرمانے لگے۔ کسی سے نہ کہنا۔ (تذکرۃ الرشید جلد دوئم ص ۲۴۶-۲۴۷)

ایک طرف تو اہلِ باطن کی دنیا میں آپ کے مراتب و مدارج یہ تھے۔ دوسری طرف اہل ظاہر کی نگاہوں میں آپ کے زہد و ورع اور پابندِ شرع ہونے کی کیفیت یہ تھی۔ کہ تیس برس تک کبھی حضرت کی تکبیر اولیٰ قضا نہیں ہوئی۔ چنانچہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکی فرماتے ہیں کہ مولوی محمد صادق صاحب بیان کرتے تھے کہ میری تیس سال سے حضرت میاں جیو رح سے ملاقات ہے۔ اس تیس سال میں کبھی آپ کی تکبیر اولےٰ قضا نہیں ہوئی۔

(شمائم امدادیہ ص ۱۶۴)

معاملات و مسائل مذہبی میں بڑی احتیاط برتتے تھے۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ یا حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ایک شخص نہایت ہی خوش گلو تھے اور نعت وغیرہ پڑھتے تھے۔ کسی نے حضرت میاں جیو رح سے عرض کیا۔ یہ شخص خوش گلو ہے اور نعت پڑھتا ہے۔ آپ بھی سن لیں۔ آپ نے فرمایا۔ لوگ مجھے کبھی کبھی امام بنا دیتے ہیں اور غنا بلا مزامیر میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ اس لئے اس کا سننا خلاف احتیاط ہے۔ لہذا میں اس کے سننے سے معذور ہوں۔ اللہ اللہ کس قدر ادب ہے منصبِ امامت کا۔ (ارواح ثلاثہ ص ۱۶۹)

اس پر بھی غیر قوموں کے افراد کے ساتھ آپ کا حسن سلوک اور رواداری قابلِ دید و قابلِ داد ہے۔

محمد عاقل خاں صاحب (لوہاری) بروایت قاضی نور محمد صاحب تھانوی بیان فرماتے ہیں۔

جب ریل گاڑی چالو نہ ہوئی تھی تو تانگے۔ ہردوار جلال آباد دروازہ سے داخل ہو کر بازار میں ہوتے ہوئے حضرت میاں جیو والی مسجد کے آگے سے ہو کر جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب ان تانگوں کا ایک گروہ حضرت میاں جیو کی مسجد کے سامنے سے گزرا تو ان کا گرو وہاں رکا۔ اور اس نے کہا معلوم ہوتا ہے یہاں کوئی بزرگ قیام پذیر ہیں۔ ان سے ملاقات کرنی چاہیئے۔ وہ حضرت میاں جیو رح کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کی دعوت کی اور ٹھہرنے کے لئے فرمایا۔ گرو نے عذر پیش کیا اور کہا کہ ہم لوگ کافی تعداد میں ہیں۔ آپ کو ہمارے ٹھہرانے میں تکلیف اور زیر باری ہوگی۔ حضرت نے فرمایا۔ نہیں دعوت منظور فرمائیے۔ دعوت منظور ہو گئی۔ حضرت میاں جیو اپنی مسجد کی پشت والی دکان پر تشریف لے گئے۔ دکاندار ایک ہندو بنیا تھا جس کا نام گھسیٹا مل ولد گوکل مل تھا۔ اور فرمایا۔ ہمیں اس قدر سامانِ رسد کی ضرورت ہے۔ اس نے کہا۔ میاں جی ہمارے پاس تو اس قدر سامانِ رسد نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کچھ

بات نہیں۔ سامان پر ہماری چادر ڈھک دو اور اس میں سے دیئے جاؤ۔ وہ حسب الحکم سامان تول تول کر دیتا رہا۔ تمام مہمانوں کو وہ سامان کافی ہو گیا۔ بلکہ جب چادر اٹھائی تو سامان بچا ہوا ابھی تھا۔ صبح کو چلتے وقت ہی ناگوں کا گرو حضرت میاں جیو سے اجازت لینے کے لئے آیا اور عرض کیا۔ ہم ہردوار جا رہے ہیں ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو فرمایئے۔ آپ نے اس کو اپنا لوٹا دیا۔ اور فرمایا کہ ہمارا یہ لوٹا گنگا مائی کو دے دینا اور کہہ دینا کہ یہ لوٹا میاں جیو نور محمد نے دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کو اپنے ہاتھ سے بھر کر دے دو اگر وہ بھر کر نہ دے تو مت لانا۔ وہ لوگ اشنان وغیرہ سے فارغ ہو کر ہردوار سے لوٹنے لگے تو ہر کی پیڑی پر کھڑے ہو کر یہ کہا کہ یہ لوٹا میاں جیو نے پانی لانے کے لئے دیا ہے اُسے جل سے بھر دو۔ فوراً گنگا مائی میں سے ایک زنانہ اور نہایت خوبصورت ہاتھ جس کو مہندی لگی ہوئی تھی اور چوڑیاں پہنے ہوئے تھا برآمد ہوا۔ لوٹا لے لیا اور اسے گنگا جل سے بھر کر واپس کر دیا پھر وہ پانی سے بھرا ہوا لوٹا اس گرو نے آکر حضرت کی خدمت میں پیش کیا اور یہ تمام ماجرا بیان کیا۔

ایک اور واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے۔ ایک بڑا پہنچا ہوا سادھو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت کا مہمان رہا۔ جب جانے لگا تو بولا میاں ہماری بیل میں تھوڑی سی اکسیر ہے یہ لے لے تیرے پاس دھن

کی کمی معلوم پڑتی ہے اپنے کام میں لانا۔ حضرت نے فرمایا۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں اپنے پاس ہی رہنے دو۔ اس نے پھر کہا۔ حضرت نے اس بار بھی انکار فرما دیا۔ جب اس نے تیسری بار پھر یہ ہی کہا تو حضرت نے ایک ڈھیلا اٹھا کر سامنے کی دیوار پر مار دیا۔ اور فرمایا۔ یہ دیکھو سادھو نے اس طرف دیکھا تو ساری دیوار سونے کی ہو گئی تھی۔ یہ دیکھ کر وہ بولا تب تو میاں تجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

اور واقعتاً جو خدا کا ہو جائے ساری خدائی اس کی ہو جاتی ہے اور اسے دنیاوی دولت اور سونے چاندی کے ڈھیروں کی کوئی ضرورت نہیں۔ حضرت کو بھی دنیاوی دولت ہی سے نہیں۔ شان و شوکت سے ایک گونہ نفرت تھی آپ نے خود اپنے لئے تو کبھی اسے پسند فرمایا ہی نہیں۔ اپنے مریدین کو بھی اس سے باز رہنے کی تاکید فرمائی۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے بڑے بھائی شیخ ذوالفقار علی صاحب ملک پنجاب سے جب واپس آئے اور مجھ کو اوراد کا شائق پایا۔ فرمانے لگے مجھ کو ایک فقیر نے ایک عمل بتایا ہے تم سیکھ لو میں نے اس عمل کو ان سے لے لیا۔ ایک بار میرا دہلی جانا ہوا وہاں عبداللہ مسند نشین درگاہ حضرت صابر بخش نے مجھ کو بلایا تھا اور کسی اپنے مرید کا ہاتھی سواری کو بھیجا تھا۔ جب میں ان کے مکان پر پہنچا تو دیکھا کہ لوگ بڑی شان و شوکت سے جمع ہیں۔ میں فقیرانہ حالت میں گیا تھا۔ مجھ کو دیکھتے ہی تمام لوگ اٹھ کھڑے

ہوئے اور دست بوسی کر کے مسندِ صدر پر بٹھا دیا۔ مجھ کو بڑا تعجب تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے جب رات کو وظیفہ پڑھنے لگا تب خیال آیا کہ یہ سب اسی وظیفہ کا اثر ہے۔ رات کو حضرت میاں جیو رحمۃ نے خواب میں فرمایا کہ اس "اعزاز" سے کیا حاصل۔ مجھے معلوم ہوا آپ اس عمل سے ناراض ہیں اُس وقت سے میں نے یہ عمل ترک کر دیا۔

اس سادہ وضعی اور منکسر المزاجی کے باوصف کہ آپ اپنی وضع قطع کے اعتبار سے سلف الصالحین کا بہترین نمونہ تھے، آپ کے چہرۂ انور کے رعب داب کا یہ عالم تھا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کو آپ سے اس قدر قربت و نزدیکی کے باوجود یہ جرأت نہ ہو سکی کہ وہ آپ کی شان میں لکھی ہوئی اپنی ایک نظم آپ کے سامنے پڑھ سکیں۔ کسی اور کی معرفت حضرت کو وہ نظم سنوائی تو آپ نے فرمایا کہ خدا اور اس کے رسول کی صفت اور ثنا بیان کرنی چاہیئے۔ تب حاجی صاحب نے عرض کیا۔ میں نے غیر خدا اور رسول کی مدح نہیں۔ تیسرے روز حضرت نے فرمایا کہ شاہ عبدالرحیم ولایتی شہید نے تم کو سرخ رنگ کا جوڑا عنایت کیا ہے گویا وہ خلعتِ حلہ اس مخمس کا تھا۔

فرمایا کہ کپڑے سرخ رنگین کنایہ دو امر کے ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ شہادت۔ دوسرے مرتبۂ محبوبیت۔ ظاہر ہے کہ آپ کو یہ دوسرا مرتبہ مرحمت فرمایا گیا تھا۔

اس مخمس کے چند اشعار یہ ہیں :-

تم ہو اے نورِ محمد خاص محبوبِ خدا ‏ ‏ ہند میں ہو نائبِ حضرت محمد مصطفےٰ
تم مددگارِ مدد امداد کو پھر خوف کیا ‏ ‏ عشق کی پرسن کے باتیں کانپتے ہیں دست و پا
اے شہ نورِ محمد وقت ہے امداد کا

جامِ الفت سے ترے ہیں جی نہیں اک جرعہ نوش ‏ ‏ سیکڑوں در پر ترے مدہوش ہیں لے مے فروش
دل میں ہے ان کے بھرا اک بادۂ الفت کا جوش ‏ ‏ پھر یہی کہہ کر اٹھے جب کہ آیا ان کو ہوش
اے شہ نورِ محمد وقت ہے امداد کا

آسرا دنیا میں ہے از بس تمہاری ذات کا ‏ ‏ تم سوا اور دل سے ہرگز کچھ نہیں ہے التجا
بلکہ دن محشر کے بھی جس وقت قاضی ہو خدا ‏ ‏ آپ کا دامن پکڑ کر یہ کہوں گا بر ملا
اے شہ نورِ محمد وقت ہے امداد کا

آپ کا یہ رتبہ و رعب تو اپنوں کی نظر میں تھا۔ دوسرے بھی چہرۂ انور کے جلال سے مسحور و مرعوب ہوئے بغیر نہ رہتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ جب کبھی حضرت میاں جی نور محمد صاحبؒ بازار کی طرف نکلتے تو سب دوکاندار تعظیماً کھڑے ہو جاتے او. سلام کرتے۔ ایک مرتبہ باہر کے ایک ہندو نے اس پر اعتراض کیا کہ تم لوگ کیوں کھڑے ہوتے ہو۔ ہرگز کھڑے مت ہوا کرو۔ ان دوکانداروں نے کہا کہ اچھا آئندہ سے ہم ادب و تعظیم کے طور پر کھڑے نہ ہوا کریں گے۔ ایک مرتبہ اتفاقاً حضرت میاں جیو صاحب بازار کی

طرف تشریف لے گئے۔ وہ شخص بھی آیا ہوا تھا۔ تو سب سے پہلے وہ معترض شخص ہی حضرت کی تعظیم کے لئے کھڑا ہوا۔ اور اسی کے ساتھ سب دوکاندار بھی حسب قاعدہ کھڑے ہو گئے۔ حضرت کے گزر جانے پر ان دوکانداروں نے پوچھا تم تو اعتراض کیا کرتے تھے اور حضرت کی آمد پر خود ہی سب سے پہلے کھڑے ہو گئے۔ وہ شخص کہنے لگا میں مجبور ہوا کیونکہ جس وقت حضرت تشریف لائے تو مجھے محسوس ہوا کہ جیسے کوئی شخص میرا کان پکڑ کر مجھ سے کہہ رہا ہے کھڑا ہو جا۔ حضرت کو لباسِ فقیری تو عطا کیا ہی گیا تھا۔ مگر ساتھ ہی رعب شاہانہ بھی بخشا گیا تھا۔ اقبال کے اس شعر میں

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولٰے
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللٰہی

جس بوئے اسد اللٰہی کی جانب اشارہ کیا گیا ہے اس کا ایک اہم معنوی پہلو حضرت میاں جیو رح کی یہ حیاتِ عالیہ بھی تھی۔

آپ کی ذات علوی صفات سے جن کرشمات و کرامات کا ظہور ہوا وہ اس بوئے اسد اللٰہی کا ایک اظہارِ خصوصی تھا۔ ایک اعجازِ مسیحائی کا حال سنئے۔

حضرت حکیم الامۃ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلۂ گفتگو میں حضرت میاں جیو کی ایک کرامت بیان فرمائی۔ کہ حضرت سے ایک بیمار لڑکی پر دم کرنے کی درخواست کی گئی۔ آپ نے اس کے منہ میں ایسا ذرا سا لعابِ دہن ڈال دیا

اللہ تعالیٰ نے شفا عطا فرمائی۔ اسی بی بی نے خود بیان کیا کہ اس روز سے میرا ذہن اور حافظہ اور فہم سب بڑھ گیا۔ کیوں نہ ہو نسبت تو اسی ذات والا صفات سے تھی جس کی شان میں کہا گیا ہے ؎

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اس سے پہلے کہ آپ کی حیات باکرامات پر یہ سلسلۂ گفتگو ختم ہو۔ یہ باب اختتام ہو جائے اور یہ ورق الٹ جائے آپ ایک اور انوکھی کرامت کا واقعہ سن لیجیے۔ حضرت حاجی صاحب مہاجر مکی فرماتے ہیں کہ شیر محمد خاں صاحب خلیفہ حضرت میاں جیو صاحب (میرے برادر ارشادی) جب قریب رحلت ہوئے تو وقت نزع لوگوں نے تلقینِ کلمہ شروع کی۔ مگر وہ منہ پھیر لیتے تھے۔ سب کو تعجب تھا کہ جب ایسے بزرگ کی یہ حالت ہے جس سے سوئے خاتمہ کا خیال ہوتا ہے تو ہم کس شمار میں ہیں۔ ہمارے حسن خاتمہ کا کیا بھروسہ۔ ان میں سے ایک صاحب حضرت میاں جیو رحمہ کے پاس دوڑے ہوئے گئے۔ حضرت میاں جیو صاحب اس وقت حجرہ کے اندر مشغولِ ذکر و فکر تھے۔ جب کبھی حضرت میاں جیو رحمہ کو بلانا ہوتا تو حجرہ کے کواڑوں کے پاس کھڑے ہو کر بلانے والا دو چار دفعہ اللہ اللہ پکار کر کہتا۔ حضرت مراقبہ سے افاقہ میں آ کر بات چیت کر لیتے تھے، چنانچہ ان صاحب نے بھی اسی طرح اللہ اللہ کہا۔ حضرت نے کواڑ

کھول دیے۔ انہوں نے خاں صاحب کا سب حال بیان کیا۔ اور کہا جلدی چلیے۔ وہاں یہ غضب ہو رہا ہے کہ ان سے کلمہ پڑھنے کو کہتے ہیں اور وہ منہ پھیر لیتے ہیں۔ آخر وقت ہے۔ ان کی چل کر مدد کیجیے۔ حضرت کو اطمینان تھا لیکن لوگوں کی دفع پریشانی کے واسطے آپ تشریف لے گئے۔ سلام کر کے دریافت کیا کہ خاں صاحب کیا حالت ہے۔ خاں صاحب نے آواز پہچان کر آنکھیں کھول دیں۔ اور سلام کا جواب دے کر کہا۔ الحمد للہ میں بہت اچھے حال میں ہوں۔ لیکن آپ لوگوں کو منع کر دیجیے کہ مجھے تنگ نہ کریں۔ یہ مجھے کلمہ پڑھنے کے لئے کہتے ہیں اور مجھے مسمیٰ سے اسم کی طرف لاتے ہیں۔ وہ اس وقت مشاہدہ ذات میں تھے۔ شیر محمد خاں صاحب حضرت کے پیر بھائی بھی تھے۔ اور بعد وفات حضرت شاہ عبدالرحیم ولائتی رح حضرت میاں جیو سے رجوع بھی کیا تھا۔ (قصص الاکابر)

مرید و خلیفہ حضرت شیخ محمد صاحب محدث تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حضرت والا میاں جیو رح کے ہاتھ پر بیعت ہونے کا عجیب و غریب واقعہ اور سن لیجیے۔ یہ واقعہ بھی اسی سلسلہ سابقہ کی ایک کڑی ہے۔ جس کی دو کڑیاں ان سطور کے شروع میں بیان کی گئی تھیں۔ فقیر مولف نے اپنے والد حافظ حبیب احمد صاحب علوی سے سنا جو حضرت میاں جیو رح کے برادر بزرگ غلام ضامن صاحب مرحوم کے نبیرہ ہوتے ہیں۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی تو دبرادری کے بھائی تھے)

مگر حضرت حافظ محمد ضامن صاحب تھانوی و حضرت مولانا شیخ محمد صاحب
تھانوی ایک دوسرے کے پھوپی و ماموں زاد حقیقی بھائی تھے اور یہ تینوں حضرات
فاروقی تھے) جب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رح غیبی بشارت پاکر حضرت
میاں جیو رح سے بیعت ہو گئے تو انہوں نے مولانا شیخ محمد صاحب کو بتلایا کہ
میں لوہاری میں جو جھنجھانہ کے ایک میاں جیو نور محمد صاحب ہیں ان سے
بیعت ہو گیا ہوں۔ تم بھی ان سے بیعت ہو جاؤ۔ حضرت مولانا شیخ محمد
صاحب نے اپنے علم کی وجہ سے حضرت میاں جیو کی ایک قسم کی توہین کی کہ
واہ واہ اچھا پیر تلاش کیا۔ مسجد کا میاں جی۔ یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ حضرت
میاں جیو نور محمد رحمۃ اللہ علیہ اسی مسجد میں جس کو اب خانقاہ امدادیہ اشرفیہ
کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ تشریف لے آئے۔ حضرت حاجی صاحب نے مولانا
شیخ محمد صاحب سے فرمایا کہ ہمارے شیخ آگئے ہیں جو کچھ تم کو پوچھنا ہو پوچھ
لو اور آئندہ حضرت شیخ کی بُرائی نہ کرنا ورنہ دوستی میں فرق آجائے گا۔ جس پہ
یہ دونوں حضرات میاں جیو رح کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور سورۃ رحمان ۔
کے متعلق سوال کیا حضرت میاں جیو رح نے فرمایا۔ میں تو مسجد کا میاں جی ہوں
مجھے کیا خبر مگر جب ان حضرات نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے شیخ محمد صاحب
سے فرمایا۔ آنکھیں بند کر کے پھر میری آنکھوں کی طرف دیکھو۔ حضرت شیخ محمد
نے جو ایک بار آنکھیں بند کر کے کھولیں اور حضرت میاں جیو کی آنکھوں میں تکی

طرف دیکھا تو حضرت کی آنکھوں میں ان کے سوال کا جواب لکھا ہوا تھا۔ پھر حضرت میاں جیو رح نے فرمایا۔ دیوار کی طرف دیکھو تو سوال کا جواب دیوار پر بھی لکھا ہوا پایا۔ بعض لوگوں سے اس طرح سنا گیا ہے کہ حضرت مولٰنا شیخ محمد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ وہ تو مسجد کے ملّا ہیں۔ ایک روز جمعہ کا خطبہ پڑھ رہے تھے تو حضرت میاں جیو کی نظر ان (مولانا شیخ محمد صاحب) پر پڑی تو مولانا تڑپ گئے۔ اور لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ لوگوں نے کہا کہ طبیب کو بلاؤ۔ ایک اہلِ دل اس مجمع میں موجود تھے۔ انہوں نے فرمایا۔ ان میاں جیو صاحب سے کہو یہ علاج کریں گے۔ حضرت سے درخواست کی گئی تو آپ نے فرمایا میں تو مسجد کا ملّا ہوں کیا جانوں۔ دوسروں کے اصرار پر حضرت میاں جیو نے پانی پڑھ کر دیا۔ ہوش آگیا اور وہ قدموں پر گر پڑے۔ اور حضرت سے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت نے بعد میں مرید فرمایا۔

بہرحال پہلی روایت سچی ہو یا دوسری حضرت میاں جیو کی برقِ چشم اور اعجازِ مسیحائی میں شبہ کی گنجائش نہیں۔

یہ تھی آپ کی نورانی زندگی جس کا آخری صفحہ اس طرح پورا ہوا۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی و مدنی نے فرمایا کہ ایک دفعہ میرے حضرت بعد نمازِ جمعہ کچھ وصیت کرنے لگے۔ جس سے لوہاری والے بہت مغموم ہوئے اور عرض کیا۔ ہم تو جانتے تھے کہ ہمارے گھر میں دولت رکھی ہے۔ جب چاہیں گے

مستفیض ہوں گے۔ ارشاد ہوا کہ گھبراؤ نہیں۔ میرے بہت سے یار تمہارے
پاس موجود ہیں۔ ان کو میرا قائم مقام سمجھو۔ حافظ محمد ضامن صاحب کو تو حضرت
میاں جیو نے مجمع عام میں بالتصریح اپنا خلیفہ بتایا اور ضمناً ہم لوگوں کو بھی مجاز
کیا۔ البتہ خاص خاص لوگوں کے متعلق باوضاحت یہی فرمایا کہ فلاں فلاں کو اجازت
عام دی ہے۔ اس کے بعد حضرت بیمار ہوئے۔ فرمایا کہ مجھے میرے وطن جھنجھانہ
لے چلو۔ جب چلتے وقت آپ تھانہ بھون تشریف لائے اور میانہ مسجد کے پاس
رکھوایا میں بھی حاضر خدمت تشریف ہوا۔ حضرت نے فرمایا۔ تم مجرد تھے اور
حافظ صاحب و شیخ محمد صاحب عیالدار۔ میرا ارادہ تھا کہ تم سے مجاہدہ و
مشقت لوں گا۔ مشیت باری سے چارہ نہیں۔ عمر نے وفا نہ کی جب حضرت
نے یہ کلمہ فرمایا میں پٹی میانہ کی پکڑ کر رونے لگا۔ حضرت نے تسلی و تشفی دی اور
کہا فقیر مرتا نہیں صرف ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال کرتا ہے
فقیر کی قبر سے وہی فائدہ ہوگا جو ظاہری زندگی میں میری ذات سے ہوتا
تھا۔ (شمائم امدادیہ صفحہ ۱۶۰)

انتقال آخر وہ وقتِ موعود آ گیا۔ جو ازل سے ہر ذی روح و ذی حیات
کا مقدر ہو چکا ہے۔ جس سے نہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بچے
نہ اولیاء کرام کو چھٹکارا ملا۔ (موت سے کس کو رستگاری ہے) اور آپ نے
۵۸ برس اس دارِ فانی کی سیر کر کے سفرِ آخرت اختیار کیا۔ آپ کی وفات حسرت

آیات کی تاریخ ۳ رمضان المبارک ۱۲۵۹ھ بروز جمعہ ہے۔

تجہیز و تکفین

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ جہاں میرے حضرت پیرو مرشد کا مزار شریف ہے وہاں ایک احاطہ امام سید محمود شہید سبزواری کا مشہور ہے۔ اس احاطہ میں کسی نئی قبر کے بنانے کا حکم نہ تھا۔ آپ وہاں اکثر جایا کرتے تھے اور دیر تک مشغول رہتے تھے۔ انتقال کے وقت وصیت فرمائی کہ اگر ممکن ہو تو مجھے اس جگہ جہاں میں اکثر جایا کرتا ہوں دفن کرنا۔ وہاں سے مجھے بوئے اُنس آتی ہے۔ الحاصل وہاں کے مجاوروں کو کچھ دے کر آپ کے لئے وہاں جگہ حاصل کی گئی۔ لیکن مجاوروں میں تنازع ہوئی کہ یہ نئی قبر کس نے بنوائی ہے۔ کہتے ہیں کہ جن مجاوروں کو اعتراض تھا ان میں سے کسی کو تکرار کی حالت میں غنودگی طاری ہوگئی۔ اس نے دیکھا کہ حضرت میاں جیو صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام شہید رحمۃ اللہ علیہ فصیل احاطہ پر کھڑے ہیں اور حضرت (میاں جیو) اپنا ہاتھ سید صاحب کے ہاتھ سے چھڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کے بعض مجاور ناراض ہیں اب ہم یہاں نہ رہیں گے۔ لیکن سید صاحب آپ کا ہاتھ نہیں چھوڑتے اور کہتے ہیں کہ ہم کو ایک ہی یار غار ملا ہے ہم کیسے چھوڑیں گے اور اس مجاور کو بہت ہی لعن طعن کیا۔ جب وہ خواب سے بیدار ہوا تمام واقعہ بیان کیا اور اپنے انکار سے باز آیا۔ اور یہ کیفیت عام طور سے مشہور ہوگئی

اور جنہوں نے بابت دفن روپیہ لیا تھا انہوں نے بہ منت وسماجت وہ حضرت کے وارثوں کو واپس کر دیا۔

مزارِ مقدّس

حضرت نے مرنے سے پہلے فرمایا تھا۔ فقیر مرتا نہیں صرف ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل ہوتا ہے۔ خواجہ حافظ نے بھی تو کہا ہے۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت ست بر جریدۂ عالم دوامِ ما

ایک اور شعر سنئے ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را!
ہر زماں از غیب جانِ دیگر ست

چنانچہ حضرت میاں جیور رحمۃ اللہ علیہ مرنے کے بعد بھی اسی طرح زندہ و پائندہ ہیں۔ آپ کی روح پر فتوح سے وہی فیضان وعرفان کا سرچشمہ جاری ہے اور آپ کے ارشادِ عالی کے مطابق آپ کے مزارِ مقدس سے بھی وہی فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں جو آپ کی ذات با برکات سے ہوتے تھے۔

آپ کے وصال کے بعد آپ کے مرید ثالث وخلیفہ حضرت مولانا شیخ محمد صاحب محدث تھانوی نے خواب میں دیکھا کہ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ مقدس سے ایک نور کا ستون بلند ہوا۔ جو آسمان تک چلا گیا۔ اس پر کلمۂ طیبہ لکھا ہوا تھا۔ (از وعظ حکیم الامۃ تھانوی ؒ)

اس فیضانِ نور کے بارے میں حضرت تھانوی رح نے ایک مرتبہ سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ قطبِ عالم حضرت میاں جیو رح فرمایا کرتے تھے کہ میری وفات کے بعد دیکھنا ہماری روشنی کس قدر پھیلے گی۔ چنانچہ مشاہدہ ہے۔ (ملفوظات حصہ چہارم صفحہ ۳۷۸)

جہاں آپ کے چراغ سے جلے ہوئے نئے اور پرانے چراغ تمام عرب وعجم میں جگمگا رہے ہیں وہاں خود وہ چراغ بھی مرقدِ مقدس کے سرہانے ہنوز جل رہا ہے اور ہمیشہ جلتا رہے گا۔

اور یہ عجیب تر بات ہے کہ حضرت کے مزارِ معلّٰے سے فیض اٹھانے والوں نے صرف روحانی فیوض ہی حاصل نہیں کئے بلکہ مادی فوائد بھی حسب ضرورت حاصل کئے۔ ایک بار حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے فرمایا کہ میرے حضرت کا ایک جولاہا (جن کا نام حافظ ٹورو تھا یہ جھنجھانہ ہی کے رہنے والے تھے۔ اور قاضی یوسف کی رعایا تھے۔ فقیر مؤلف) بعد انتقال حضرت کے مزار پر اس نے عرض کیا۔ حضرت میں بہت پریشان ہوں اور روٹیوں کو محتاج

ہوں۔ میری کچھ دستگیری فرمایئے۔ حکم ہوا کہ تم کو ہمارے مزار سے دو آنہ روز ملا کریں گے۔ (اس زمانہ میں یہ بھی بڑی چیز تھی۔ مؤلف) ایک مرتبہ میں زیارتِ مزار کو گیا۔ وہ شخص بھی حاضر تھا۔ اس نے کل کیفیت بیان کر کے کہا۔ مجھے ہر روز وظیفہ مقررہ پائینِ قبر سے ملا کرتا ہے۔ (شمائم امدادیہ)

پیرجی محمد صادق صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی رح سے بیعت ہونے کے بعد بارہ سال تک حضرت کے بتلائے ہوئے اوراد وغیرہ پر پابندی کرتے رہے۔ بارہ سال کے بعد ایک روز نمازِ تہجد قضا ہو گئی۔ صبح کو اس کا تذکرہ حضرت مولانا صاحب سے کیا۔ آپ کو نمازِ تہجد کا قضا کرنا بہت ناگوار گزرا۔ اور حکم دیا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ ہمارے یہاں تمہارا کام نہیں چلے گا۔ آپ حسب الحکم پیرو مرشد گھر آ گئے۔ اور دل میں طے کیا کہ اپنے بڑوں کے یہاں یعنی حضرت میاں جیو رح کے مزارِ اقدس پر حاضر ہوں۔ خرچ کے لئے زادِ راہ جو دیکھا دو پیسہ نکلے۔ ان میں سے ایک پیسہ کا ستو اور ایک پیسہ کی شکر لے کر روانہ ہوئے حضرت کے مزار پر پہنچ کر اس ستو کو پانچ وقت کیا۔ چھٹے وقت کھانے کے لئے کچھ پاس نہ رہا۔ آپ حضرت کے مزارِ مبارک سے لپٹ کر بہت روئے شب میں حضرت میاں جیو رح کو خواب میں دیکھا۔ فرما رہے ہیں محمد صادق لے اپنے دو پیسے جو تیرے خرچ ہوئے ہیں۔ آنکھ کھلی تو ہاتھ میں دو پیسے

تھے۔ صبح کو میں حضرت میاں جیو رح کے مزار شریف کی مسجد میں تھا کہ ایک صاحب نے آکر یہ آواز دی۔ "مسجد میں کوئی محمد صادق صاحب ہیں" میں پہنچا۔ وہ آنے صاحب ایک خوان میں کھانا لیئے ہوئے تھے۔ جو گرم تھا۔ فرمایا کہ رات خواب میں چچا صاحب نے فرمایا کہ ہمارے یہاں مہمان تین روز سے آئے ہوئے ہیں۔ ان کے دو پیسے جو خرچ ہوئے تھے وہ تو ہم نے ان کو دے دیئے ہیں لیکن وہ رات سے بھوکے ہیں۔ ان کو کھانا کھلاؤ۔ میں کھانا کھا کر نماز چاشت پڑھ کر فارغ نہیں ہوا تھا کہ گاڑی کے زنگولے کی آواز آئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت مولانا شیخ محمد صاحب رح تشریف لے آئے ہیں اور فرمایا۔ محمد صادق ہماری ساتھ چلو۔ رات حضرت میاں جیو رح نے خواب میں فرمایا ہے تم اس کو لے آؤ۔ ہمارے یہاں سختی نہیں ہے۔ بلکہ اللہ کے فضل و کرم پر بھروسہ ہے۔ (بروایت قاضی محمد ظفر صاحب سہارنپوری۔ قاضی شہر)

اور یہ سب کچھ اس وقت ہے جبکہ آپ نے مرنے کے بعد بھی اپنے انوار و برکات کو سمیٹے رکھا اور پوری طرح انہیں پھیلنے نہیں دیا چنانچہ حضرت مولانا تھانوی رح فرماتے ہیں کہ جھنجھانہ میں ایک صاحب کشف تشریف لائے۔ اور حضرت میاں جیو رح کے مزار پُرانوار پر حاضر ہوئے بعد میں انہوں نے کہا۔ افسوس کس ظالم نے ان کو امام شہید سبزواری رح کے

پاس دفن کر دیا ہے۔ یہ یہاں ادب کی وجہ سے اپنے انوار و برکات کو روکے ہوئے ہیں اگر کسی ویرانہ میں ہوتے تو دنیا ان کے انوار و برکات سے جگمگاتی۔ اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان کی ہڈیاں نکال کر کسی دوسری جگہ دفن کرتا۔ اور پھر ان کے انوار و برکات کا مشاہدہ ہوتا۔

(ارواح ثلاثہ صفحہ ۱۶۹)

مگر کیا کیا جائے حضرت میاں جیو رح کو اپنی زندگی میں بھی اس جگہ سے اُنس تھا۔ اور مرنے کے بعد بھی وہ اسی جگہ دفن ہوئے جہاں سے آپ کو بوئے انس آتی تھی اور آپ کے مزار مقدس سے تو یہ بوئے اُنس ہر شخص کو محسوس ہوتی ہے۔ ایسا کیوں ہے اس کی وجہ حضرت حکیم الامۃ کی زبانی سنئے۔

حضرت مولانا سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ بزرگوں کے مزارات پر جب حاضر ہوا جاتا ہے تو دیکھا جاتا ہے کہ بعض بزرگوں کے مزار پر تو ایک قسم کا انس و انبساط محسوس ہوتا ہے اور بعض کے مزارات پر بجائے انس کے رعب و جلال محسوس ہوتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ بزرگوں کے مختلف حالات ہوتے ہیں۔ جیسے دنیا کے اندر بعض اہل اللہ کی تو یہ شان ہوتی ہے کہ وہ اپنے ہی نفس کی دیکھ بھال میں اور حق تعالیٰ کے ذکر و فکر میں ہر وقت مشغول رہتے ہیں اور عام مخلوق کی کوئی خدمت ان

کے سپرد نہیں ہوتی اور بعض اہل اللہ کی یہ شان ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ کی جانب سے مخلوق کی کوئی خدمت ان کے سپرد ہو جاتی ہے۔ اب اگر وہ خدمت تکوینی ہوتی ہے تو ایسے شخص کو قطب التکوین کہتے ہیں اور اگر کوئی خدمت تشریعی ہوتی ہے تو ایسے صاحب خدمت کو قطب الارشاد کہتے ہیں۔ اسی طرح بعد وفات کے بھی بزرگوں کے مختلف حالات ہوتے ہیں۔ بعض تو وہاں بھی عالم برزخ میں پہنچ کر محض مشاہدہ میں مستغرق رہتے ہیں اور دوسری طرف متوجہ نہیں رہتے اور بعض کی یہ شان ہوتی ہے کہ وہ حضرات مخلوق کی طرف بھی توجہ کرتے ہیں تو جن بزرگوں کے مزارات پر حاضر ہو کر ہیبت و جلال محسوس ہوتا ہے وہ۔ وہ حضرات ہیں کہ مخلوق کی طرف متوجہ نہیں اور مشاہدہ میں مستغرق ہیں اور جن بزرگوں کے مزارات پر انس محسوس ہوتا ہے وہ۔ وہ حضرات ہیں کہ مخلوق کی طرف بھی متوجہ ہیں اسی مخلوق کی طرف ان کی توجہ کا یہ اثر ہے کہ ان کے مزارات پر بجائے ہیبت کے انس محسوس ہوتا ہے چنانچہ اسی قصبہ تھیجانہ میں بزرگوں کے دو مزارات قریب قریب ایک ہی جگہ واقع ہیں ان میں سے ایک مزار تو ہمارے دادا پیر حضرت میاں جیو علوی رح کا ہے تو جب اس مزار پر کوئی حاضر ہوتا ہے تو ایک قسم کا انس محسوس ہوتا ہے اور دوسرا مزار ایک سید صاحب شہید کا ہے جو امام سید محمود سبزواری کے لقب سے مشہور ہیں تو ان بزرگ کے مزار پر جب کوئی حاضر ہوتا ہے تو ایک قسم کا رعب اور ہیبت محسوس ہوتی ہے۔ (ملفوظات حصہ ششم صفحہ ۸۲ - ۳۸۳)

اور جس طرح حضرت والا کو اپنی زندگی اور اس عالم اجسام میں اپنے تمام باطنی معارج اور روحانی مراتب کے باوجود شریعتِ نبوی اور سنتِ محمدی کی پیروی کا بے انتہا خیال رہتا تھا اسی طرح عالم ارواح میں پہنچ کر بھی آپ نے کتاب وسنت کی پابندی کو اسی طرح برقرار رکھا۔ اور ظاہر ہے کہ جب اولیاء اللہ کی زندگی کو پیمانۂ امروز وفردا سے نہیں ناپا جاسکتا پھر ان کی یہاں اور وہاں کی زندگی میں کوئی بڑا فرق اور امتیاز کیسے ہوسکتا ہے۔ چنانچہ حضرت کے مزارِ اقدس کی درستی کے متعلق شمائم امدادیہ میں یہ روایت ملتی ہے۔

فرمایا کہ پیرومرشد کے قریب کے رہنے والے حج کو تشریف لائے۔ اور مجھ سے دریافت کیا۔ اجازت ہو تو قبر کی درستی کروی جائے۔ میں نے کہا کیا مضائقہ ہے۔ بعض فقہا جائز لکھتے ہیں۔ پھر فرمایا۔ میں کیسے منع کردیتا جس مزار سے انوار سے میں نے فیض حاصل کیا ہے۔ میرے نزدیک اس کی درستی واصلاح تو فرض ہے۔

حضرت کا مزارِ مقدس خام ہے۔ البتہ حلقہ پختہ ہے۔ لوگوں نے چاہا کہ ایک ہاتھ سے اونچا کردیں۔ آپ نے یعنی حضرت میاں جیو رح نے کسی کو خواب میں اشارہ کیا۔ خلاف سنت مت کرو۔ ایک ہی ہاتھ اونچا رہنے دو۔ یہ تو مزارِ مقدس ومنور اور اس نشیمن نوری ومعنوی کی بات تھی جہاں آپ

ابدالآباد تک کے لئے جلوہ فرما ہیں۔ وہ حجرۂ شریف بھی جہاں آپ لوہاری کے زمانۂ قیام میں رونق افروز ہوتے تھے آج تک مصدرِ فیوض و برکات ہے چنانچہ ایک سلسلۂ گفتگو میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند نے ارشاد فرمایا کہ لوہاری کے اس حجرہ میں جہاں حضرت میاں جیو علوی رح کا قیام تھا اب بھی وہی انوار و برکات ہیں جو حضرت کے زمانۂ حیات میں تھے۔

اب جو لوگ عقیدت و ارادت سے کر وہاں جاتے ہیں وہ انوار و برکات سے فیض یاب ہوتے ہیں اور جو بے ادبی کرتے ہیں وہ سزا پاتے ہیں۔ چنانچہ بندو خاں لوہاروی نے مولوی نور محمد خاں قاضی لوہاروی سے سنی ہوئی یہ روایت مجھ سے بیان کی۔

حضرت میاں جیو علوی رح کے حجرہ کے سامنے جو دو کوٹھڑیہ ہے اس میں مولوی قاضی نور محمد صاحب تھانوی ڈاکخانہ کا کام کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک انسپکٹر ڈاکخانہ جات جو کہ ہندو تھا۔ معائنہ کے لئے لوہاری گیا۔ رات کو سونے کے لئے اس نے کہا کہ میری چارپائی اسی دو کوٹھڑیہ میں بچھا دینا۔ میں یہیں سو جاؤں گا۔ قاضی نور محمد صاحب نے کہا آپ کے سونے کا انتظام دوسری جگہ کیا جائے گا۔ مگر اس نے اسی دو کوٹھڑیہ میں سونے پر اصرار کیا۔ جس پر اس کی چارپائی اور بچھونا وہیں کر دیا گیا۔ وہ شب کو شراب وغیرہ

پی کر اسی حجرۂ اقدس کے سامنے والے دوکڑیہ میں سو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی چارپائی لوٹ دی گئی۔ اس طرح کہ چارپائی اوپر اور وہ نیچے۔ وہ گھبرا کر باہر نکلا اور کہا قاضی صاحب میری چارپائی دوسری جگہ بچھوا دیجئے گا۔ میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے۔

بے ادبی و گستاخی کی سزا اس سے بھی سخت ہو سکتی ہے۔ اور وہ ہے ہمیشہ کے لئے حرمان و محرومی جس کے سزاوار کا ذکر حضرت حکیم الامۃ نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

ایک مولوی صاحب جن کا نام مولوی محمد اشرف کاندھلوی تھا اور جن کی تصنیف سورۂ یوسف منظوم ہے۔ یہ کوئی باقاعدہ مولوی نہ تھے۔ مگر مشہور تھے۔ یہ ایک زمانہ میں حضرت میاں جیو رح کی شان میں گستاخیاں کیا کرتے تھے۔ پھر تنبہ ہوا۔ اور حضرت کے مرید ہو گئے۔ حضرت نے مرید تو کر لیا۔ اور وہ حضرت کے یہاں برابر آتے جاتے بھی رہتے تھے۔ مگر ایک مدت کے بعد حضرت نے فرمایا۔ مولوی صاحب آپ کہیں اور جا کر رجوع کریں مجھ سے آپ کو نفع نہ ہوگا۔ میں ہر طرح آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ مگر آپ کی وہ گستاخیاں یاد آ کر مانع ہو جاتی ہیں۔

(الافاضات الیومیہ صفحہ ۲۷۲)

حضرت کے مُرید و خلفاء

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب فاروقی تھانوی مہاجر مکی و مدنی رح	(خلیفہ)
حضرت حافظ ضامن صاحب رح شہید فاروقی تھانوی۔	(خلیفہ)
حضرت مولانا شیخ محمد صاحب رح محدث فاروقی تھانوی	(خلیفہ)
حضرت شیر محمد خاں صاحب لوہاری	(خلیفہ)
حضرت شیخ امام الدین صاحب رح تھانوی	(مرید)
حضرت حافظ محمود صاحب رح تھانوی	(مرید)
حضرت حافظ نورو صاحب رح جھنجھانوی	(مرید)

خراجِ عقیدت

حضرت میاں جیو کے بارے میں بزرگانِ دین کے عقیدتمندانہ خیالات کا تذکرہ آپ کے کمالات و کرامات کے سلسلہ میں مختصراً آچکا۔ ظاہر ہے جس کے سلسلۂ انوار کی جامعیت و بڑی مقبولیت اس حد تک کھلی ہوئی ہو کہ اس کی روشنی چار دانگِ عالم میں پھیل رہی ہو جس کے ذریعہ عرب و عجم میں نورِ اسلام اور ضیائے ایمان پھیلی ہو اس کی ذات اور شخصیت کسی تعریف و تعارف کی محتاج نہیں تاہم جی چاہتا ہے کہ ہمارے بزرگوں نے اپنی نظم و نثر میں جس طرح اس روح پر فتوح اور ہستی عظیم کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے اُسے بھی نقل کر دیا جائے۔ یہ عبارتیں اور منظومات خود اپنی جگہ ایک تبرک ہیں

سب سے پہلے آپ حضرت میاں جیو رح کے خلیفہ اوّل حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی وہ نظم سن لیجئے جس کے چند اشعار حضرت والا رح کے مزار مقدس کے سرہانے لگے ہوئے کتبے پر منقش ہیں۔

اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

جلوہ گاہِ نور محمدّی

شہرِ جھنجھانہ ہے اک جائے ہدیٰ   مسکن و ماوا ہے اُس جا آپ کا
مولدِ پاک آپ کا ہے اور مزار   اُس جگہ تو جان لے اے ہوشیار
متصل اس شہر کے اے نیک نام   ہے عجب دلچسپ درگاہِ امام
سیدِ محمود ہے نامِ شریف   ہے مکاں وہ بس عجیب و بس لطیف
پاس اس مرقد کے قبلہ رُخ بنی   ہے زیارت گاہ میرے پیر کی
اس جگہ ہے مرقدِ پاکِ جناب   سر جھکاتے ہیں جہاں سب شیخ و شاب
سارے عالم پر ہے پرتو آپ کا   کونسی جا وہ نہیں جلوہ نما
جس کو ہووے شوقِ دیدارِ خدا   ان کے مرقد کی کرے زیارت وہ جا
چاہیئے تجھ کو اگر وصلِ خدا   سایۂ نورِ محمدّ ہیں تو آ
اعتقادِ دل سے جو جائے وہاں   اس پہ سب اسرارِ باطن ہوں عیاں
دیکھتے ہی ان کے مجھ کو ہے یقیں   اس کو ہو دیدارِ ربّ العٰلمیں
گرچہ یاں سے کر گئے ہیں انتقال   فیضِ باطن ہے وہی ان کا بحال
یعنی پیر و مرشد و مولا مرے   حضرتِ نورِ محمد نیک پے

۱۲۵۹
بارہ سو انسٹھ میں کر کے انتقال
اس جہاں سے جا ملے با ذوالجلال

حضرت مولانا مولوی معنوی کی مشہور فارسی مثنوی کی بحر میں آپ نے حاجی امداد اللہ رحمہ کے لکھے ہوئے چند اشعار حضرت میاں جیو رح کی شان میں سُنے۔ اب اسی بحر میں فارسی کے چند اشعار شیخ محمد صاحب محدث تھانوی رح کے سُنیے۔ جنہوں نے مثنوی مولانا روم کا ساتواں دفتر لکھا تھا۔

چوں بغیر او دمے ناسودہ ایم / نور از نورِ محمد بودہ ایم
ہم بغیر اس کے ایک گھڑی بھی راحت نہ پا سکے / چونکہ ہمارا دل اس نورِ محمد کا ایک ٹکڑا ہے

بر سرِ ہر کس کہ ظلّ او فتاد / از گدا شد شاہِ اقلیم رشاد
جس کے سر پر ان کا سایہ پڑ گیا / وہ فقیر سے بادشاہ اقلیم ارشاد بن گیا

اے جواں بخت ار تو داری فکرِ پیر / دامنِ نورِ محمد خوش بگیر
اے جواں بخت اگر تو پیر کا جویا ہے / تو نورِ محمد کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لے

گر نہ از قسمت رسد وسعت باو / در حضورِ نائبانش آ درو
اگر قسمت سے تیرا ہاتھ ان کے دامن تک نہ پہنچے / تو تو اس کے نائبوں کے حضور میں آ

یعنی الفت گیر با ضامن علی / تا شوی روشن ز انوارِ جلی
یعنی (حافظ) ضامن علی کے ساتھ الفت کو / تاکہ تیرا دل انوارِ جلی سے روشن ہو جائے

ور میسر ناید از صہبائے وے / خیز و گیر از جامِ امداد اللہ مے
اور اگر اس کی شراب (محبت) تو حاصل نہ کر سکے / تو اٹھ اور امداد اللہ کے جام سے مئے عرفان حاصل کر

گر نیابی ہم ورا در بزمِ شاں / ہر کہ دارد رنگ بیعت کن باں
اگر تو اس کو بھی ان کی بزم میں نہ پائے / تو جو بھی ان کا رنگِ معنوی رکھتا ہے اس سے بیعت کر

گر طفیلِ پیشوایانِ ہدٰے
پیشوایانِ ہدٰے کے طفیل سے
ہست امید از پیروئ مصطفٰے
اور حضرت محمد مصطفٰے کی پیروی سے امید ہے

یار باشد فضلِ او دائم بما
کہ اس کا فضل ہمیشہ ہمارا مددگار رہے گا
تا قیامت حق بود قائم بما
اور قیامت تک حق ہمارے ساتھ رہے گا

درجوع بتذکرۂ حضرت مرشد (ح)

در سرِ زلفِ امیرِ قافلہ
امیرِ قافلہ (آنحضرت) کے سودائے زلف میں
شد چو با نورِ محمدؐ سلسلہ
ہمارا تعلق نور محمد کے ساتھ قائم ہوگیا

نورِ او از بہرِ ما نورِ خدا ست
ان کا نور ہمارے لئے نورِ خدا ہے
سایۂ دیو و پری از ما جدا ست
اور دیو و پری کا سایہ ہم سے جدا ہے

در درِ نورِ محمد ہست چشم
اور ہمیں نور محمد کے دروازے سے امید ہے
کز وصالِ دوست ساز و مست چشم
کہ وصالِ دوست سے ہماری آنکھیں مست ہونگی

چشمِ لطفش تشنہ را جامِ شراب
انکی مہربانی کی نظر تشنۂ دیدار کیلئے جامِ شراب ہے
بابش اربابِ تعشق را جناب
اور ان کا دروازہ اربابِ عشق کیلئے درگاہ والا ہے

صلحِ مہدئ مجاہد رشکِ رزم
مہدئ مجاہد کی صلح رشکِ رزم ہے
خلوتِ شیخِ مراقب عینِ بزم
شیخ مراقب کی خلوت عینِ بزم ہے

افگند شورے بجانِ نازنیں
جانِ حزیں میں ایک شور پیدا کر دیتا ہے
لفظِ شیریں بر زبانِ نازنیں
اس نازنیں زبان پر آیا ہوا ایک حرفِ شیریں

کز ہمیں بے صحبتِ پیرِ طریق
مشکل آمد طے منزل اے رفیق
اسی وجہ سے پیرِ طریق کی صحبت کے بغیر
اے ساتھی منزل کا طے کرنا بہت مشکل ہے

یعنی آید کے ترا بے اہلِ راز
لہجہ و انداز و طرزِ سوز و ساز
یعنی تجھے بغیر اہلِ راز کی مدد کے
کیسے لہجہ. انداز اور طرزِ سوز و ساز آسکتا ہے

پیر یک لحظہ توجہ گر کند
ہمچو پارس آہنت را زر کند
اگر پیر ایک لحظہ توجہ کرتا ہے
تو پارس کی طرح تیرے آہن کو سونا بنا دیتا ہے

وصلِ حق باشد بوصلِ واصلیں
می کند کامل کمالِ کاملیں
واصلینِ حق کا وصل مجھے حق سے ملا دیتا ہے
اور کاملین کا کمال تجھے کامل بنا دیتا ہے

شب چراغ اند اولیائے روزگار
اکملانِ دین خود نصف النہار
اولیاء اللہ ایک شب چراغ ہیں
اور دین کے اکمل دوپہر کے سورج ہیں

اہلِ دل در حلقہ چوں آہوئے چیں
بوئے مشکِ خویش جویاں زاں دریں
اہلِ دل انکے حلقہ میں آہوئے چین کی طرح ہوتے ہیں
جو خود اپنے مشک کی خوشبو یہاں آ کر ڈھونڈتے ہیں

باغ باغ آئینہ رویانِ بہار
دشت دشت آشفتہ دل از خانہ زار
آئینہ رویانِ بہار باغ باغ ہیں
اور خانہ زار کے آشفتہ دل دشت دشت نظر آتے ہیں

حبذا اے آنکہ مارا جام داد
مست فرمود و ہشِ اسلام داد
مرحبا اے وہ کہ جس نے ہمیں جامِ عشق پلایا
مست محبت فرمایا اور ہوشِ اسلام دیا۔

حبذا نورے کہ نورِ جاں فزود
زنگِ خود بینی ز آئینہ ربود
مبارک ہے وہ نور جس نے نورِ جاں کو بڑھایا
اور خود بینی کے زنگ کو آئینہ دل سے صاف کر دیا

حبذا ضوئے کہ چوں اندوختیم — ظلمتِ غیر از خدا را سوختیم
مبارک ہے وہ نور کہ جب ہم نے اسے حاصل کیا — تو غیر خدا کی ظلمت کو مٹا دیا۔

حبذا نورے کہ نورِ پاک ہست — مظہرِ نور و ظہورِ پاک ہست
مبارک ہے وہ نور جو نورِ پاک ہے — مظہرِ نور اور ظہورِ پاک ہے۔

ہست بیشک ہمچو طور ایں جلوہٗ — عشق را نور ست نور ایں جلوہٗ
بے شک یہ جلوہ جلوۂ طور ہے — اور عشق کے لئے یہ جلوہ سراپا نور ہے

حبذا عشقے کہ چوں جلوہ نمود — ما سوا اللہ را ز جان و دل ربود
مبارک ہے وہ عشق کہ جب اس نے جلوہ دکھایا — تو غیر اللہ سے جان و دل پاک کر دیا

حبذا عشقے کہ نزدیک ست و دور — بسط در قبض است و حزن اندر سرور
مبارک ہے وہ عشق جو نزدیک و دور کو محیط ہے — جو دل گرفتگی کی حالت میں خوش ہو اور حزن و ملال کی حالت میں سرور

اس تعریف کے بعد اس تعارف کا بھی مطالعہ فرمایئے جس طرح یہ نظم فارسی میں تھی اسی طرح نثر بھی فارسی میں ہے۔

مولد و موطن ایشاں قصبہ جھنجھانہ است۔ و نسبتِ طریقت از حاجی شاہ عبد الرحیم شہید می داشتند و از اولادِ احفاد حضرت شاہ عبد الرزاق علوی جھنجھانوی بودند و نسبت باطن ہر چہار طرق کہ از حاجی صاحب بایشاں رسیدہ بود اخفا می کردند۔ بر اتباعِ سنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حریص بودند چنانچہ تکبیرِ اولٰے قضا نہ کردند۔ اہلِ نسبت و صاحبِ ہمتِ قویہ بودند۔ در قصبہ

لوہاری بہ تعلیم اطفال اشغال می نمودند۔ بطوریکہ کسی را بر حالِ ایشاں اطلاع نمی بود مگر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب باعثِ اشتہارِ ایشاں شدند و آں این است چوں شورش طلب مولیٰ در سینۂ حاجی امداد اللہ صاحب جوش زد وارادت با درویشاں در آوردند شبے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ ارادت آوردن بایشاں کردند حاجی صاحب بدریافت مقام ایشاں متردد و متحیر بودند۔ روزے بوساطت شخصے سرِ ارادت باستانۂ ایشاں نہادند۔ بمجرد مشرف شدن بشمائل شریف ایشاں دریافتند کہ آں اشارۂ سراج منیری نظیر صلے اللہ علیہ وسلم وجدمن بر ایشاں بود سرِ نیاز بر زمیں نہادند و دستِ خود در دستِ حق پرست پیر دستگیر دادند خود را چوں مردہ بدستِ غسال سپردند و خطِ بندگی بر جبین خود نوشتہ پیش کش کردند و اتباع امر ایشاں بر خود لازم و واجب دانستند۔ چوں کہ ہمت در طلبِ حق و پیر پرستی چست بستند و شیخ موصوف ایشاں باستعداد کامل و طلبِ صادق یافتند بعد تعلیم ظاہر و باطن با گاہی یادداشت آگاہ کردند بکلمۃ الحق اشارہ کردند۔ و نائبِ مطلق خود نمودہ اجازت بہ تلقینِ راہِ حق دادند۔

رحمۃ اللہ علیہ۔

یہ عبارت ایک جانب حضرت والا کا تعارف کراتی ہے دوسری طرف اس حیاتِ کاملہ کی جانب اشارہ کرتی ہے جو دوسروں کے لئے چراغ ہدایت

وشمعِ عرفان بن گئی۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رح کو حضرت میاں جیو سے کیا ملا۔ اسے آپ مولانا مناظر احسن گیلانی مدظلہٗ کی زبان صدق وصفا سے سنئے۔

مشائخ دیوبند کے شیخ الشیوخ یعنی حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے مرشد برحق حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھی حضرت شاہ عبدالرحیم ولائتی ہیں جن پر حضرت سید احمد صاحب شہید کی نسبت کا غلبہ بقول حضرت مولانا تھانوی ہو گیا تھا۔ خلافت واجازت بھی حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت شاہ عبدالرحیم ولائتی سے ملی۔ اس طرح دین جس طرح حضرت شاہ عبدالرحیم ولائتی سے منتقل ہو کر حضرت میاں جیو تک پہنچا تھا اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آپ ایک طرف ذکر و شغلِ قادریہ وچشتیہ کے مراحل طے کر چکے تھے دوسری طرف سید صاحب شہید کی نسبت کے غلبہ کی برکت سے انہیں "نماز پڑھنی اور روزہ رکھنا بھی آگیا تھا۔"

جہاں تک میں سمجھتا ہوں شاہ عبدالرحیم رح کے ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ باطنی حالات کے استغراق میں شریعت کے عملی مطالبات کی طرف سے صوفیہ میں جو ایک قسم کی لاپرواہی اخیر زمانہ میں عموماً پیدا ہو گئی تھی سید صاحب شہید کی برکت سے اس کوتاہی کی تکمیل ہو گئی۔ یعنی ظاہر و

باطن غرض دین کے دونوں پہلوؤں کی تعمیر مستحکم بنیادوں پر اس راہ سے ہوگئی۔ اور ظاہر و باطن کی جامعیت یہ ہی دولت سرمدی تھی جو حضرت میاں جیو کو اپنے پیر و مرشد سے ملی اسی کا نتیجہ تھا کہ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک خوش گلو نعت خواں کے متعلق میاں صاحب سے لوگوں نے عرض کیا کہ نعت بہت اچھی پڑھتا ہے حضرت بھی سن لیں تو کیا مضائقہ ہے جواب میں فرمایا کہ لوگ مجھے کبھی کبھی امام بنا دیتے ہیں اور غنا بلا مزامیر میں بھی بعض علماء کا اختلاف ہے۔ صوفی صافی اور چشتی ہونے کے باوجود منصب امامت کے احترام کو پیش نظر رکھتے ہوئے علماء کے اختلافی نقطۂ نظر کی اتنی رعایت بتلا رہی ہے کہ جامعیت کا کتنا پختہ رنگ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ پر چڑھا ہوا تھا۔ میں نے براہِ راست حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند سے جو اپنے عہد میں دیوبند کے تعلیمی نظام کے روح رواں تھے۔ حضرت میاں جیو رح کے ذکر کے سلسلہ میں یہ فقرہ سنا ہے۔ کہ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میاں میں نے ایک ایسی ہانڈی پکائی ہے جو نہ سو برس پہلے پکی تھی نہ سو برس بعد پکے گی (غالباً) جامعیت کی یہ ہی ہنڈیا تھی جس میں ایک طرف پوری طاقت کے ساتھ ان کے کمالات کی نشو و نما کی ضمانت پوشیدہ ہے جو حضرات مشائخ چشت میں سلفاً و خلفاً منتقل ہوتے

آرہے تھے اور دوسری طرف علمارِ شرع کی متعین کی ہوئی حدود کی بھی رعایت اس حد تک محفوظ رکھی گئی جس کی مثال مذکورہ بالا واقعہ ہوسکتا ہے۔ بہرحال یہ ہی محمدی نور یا نورِ محمدی تھا جس نے حاجی امداد اللہ صاحب فاروقی کے سینۂ فیض گنجینہ کو جگمگا دیا۔"

متبرک خطوط

مکتوب اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ بخدمت حافظ جی صاحب واضح باد۔
ایں دعا را ہفت بار بوقت نماز فجر و ظہر باوضو بہ برخوردار محمد یوسف
خواندہ دم می کردہ باشند و آں ایں ست اَسْئَلُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ رَبَّ
الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَنْ یَّشْفِیَکَ ۔ چیزے خیرات ہم برائے صحت
برخوردار مذکور بہ کسی محتاج نماز گذار بدہند۔

ترجمہ ۔ بسم اللہ ... حافظ جی صاحب کی خدمت میں واضح ہو کہ
اس دعا کو سات بار نماز فجر و ظہر کے وقت باوضو پڑھ کر برخوردار محمد یوسف
پر دم کرتے رہیں اور دہ یہ ہے ......

کوئی چیز بطور خیرات بھی برخوردار مذکور کی صحت کے لئے کسی
محتاج نماز گذار کو دیں ۔

مکتوب دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ برادر عزیزی دینی محب الفقراء میاں امداد اللہ صاحب حفظ اللہ تعالیٰ۔ از نور محمد پس از سلام و تحیۃ التیام واضح رائے گرامی باد آنکہ باستماع خبر واقعۂ جانکاہ عزیز گرامی نہاد بہادر علی کہ جانش در بہشت بریں باد المی دامن گیر خاطر گردید۔ ازاں جاکہ ہمہ راہ رفتن اشاہراہ، در پیش لہذا بصبر پرداخت۔ روح پُر فتوح آں جادہ نواز عالم قدس را بفاتحہ و دعا یاد کردہ باشد۔ لازم آں برادر ہم راہ مصابرہ در پیش گرفتہ بحبل المتین رضائے الہی متمسک شوند اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔ زیادہ تریں نگاشتن بلقمان حکمت آموختن است۔ و انشاء اللہ تعالےٰ داعی ہم بوقت راہی شدن بوطن مالوف مسرور از دیدار گرامی خواہد بود، وسوائے ازیں دل دریں جا بباعث بیماری برادر عزیز ازجاں مولوی علی محمد صاحب از بس مضطرب و بے قرار اگر احدے از قصبہ جھنجھانہ از ایشاں ملاقی شدہ آمدہ باشد پرسید احوال طبیعت شاں بر نگارند کہ رفع ترددات گردد۔ بخدمت والا منقبت مولوی شیخ محمد صاحب و برادر سعادت آگیں حافظ محمد ضامن صاحب و حافظ احمد علی صاحب و دیگر عزیزان سلام رسانند۔

ترجمہ:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ برادر عزیز دینی محب الفقراء میاں

امداد اللہ صاحب حفظ اللہ تعالےٰ (نور محمد کی جانب سے) بعد سلام مسنون کے رائے گرامی پر واضح ہو کہ عزیز گرامی بہادر علی اللہ تعالیٰ اس کو جنت نصیب کرے کے واقعۂ انتقال کی خبر جانکاہ کے سننے سے ایک رنج دامن گیر خاطر ہوا۔ اس لئے کہ سب کو سفر آخرت کی راہ درپیش ہے لہٰذا صبر کیا اور اس جادہ نواز عالم قدس کی روح پر فتوح کو فاتحہ اور دعا سے یاد کیا گیا۔ لازم ہے کہ وہ برادر بھی راہ صبر کو اختیار کر کے رضائے الہٰی کی حبل متین کو مضبوطی سے پکڑیں۔ اللہ تعالےٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔ اس سے زیادہ لکھنا لقمان کو حکمت سکھانا ہے۔ اور انشاءاللہ تعالیٰ میں خود بھی وطن مالوف کی طرف روانہ ہوتے وقت دیدار گرامی سے مسرور ہوں گا۔ برادر عزیز از جان مولوی علی محمد صاحب کی بیماری کی وجہ سے دل بیحد مضطرب و بے قرار ہے۔ اگر کوئی قصبہ جھنجھانہ سے اسے مل کر آیا ہو تو اس سے پوچھ کر ان کی طبیعت کا احوال لکھیں تاکہ تردد دور ہو۔ مولوی شیخ محمد صاحب کی خدمت والا منقبت میں اور برادر سعادت آگیں حافظ محمد ضامن علی صاحب و حافظ احمد علی صاحب و دیگر عزیزان کو میرا سلام پہنچا دیجئے۔

مکتوب سوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بخدمت بابرکت حمید الاخلاق وحید الآفاق

مولوی شیخ محمد صاحب . بعد ابلاغ ہدیہ سلام مسنون گذارش آنکہ از روزے کہ دریں جا رسیدہ ام حال آں صاحب معلوم نیست کہ درمیان آں صاحب و حافظ ضامن علی صاحب بعد من چوں اتفاق افتاد و چہ طور شد ۔ اگر بمقتضائے مکارم اخلاق از حال من و عن اطلاعم خواہند فرمود بعید از مہربانی قدیمہ نہ خواہد بود دیگر آنکہ چوں دریں جا رسیدم تعبیر خواب آں صاحب بدلم از عالم غیب بدیں وجہ ملقی گردید کہ دنیا در حق صلحا پاخانہ است پس اشارہ آن ست کہ قدم بر پاہائے آں باید نہاد ۔ وآلودہ شدن پارچۂ جامہ مراد از پارۂ دل است یعنی دل را از حب ماسوا نگاہ باید داشت ۔ مراد در پیش آمدن آں ہر سہ کساں آن ست کہ مثل اینہا بے تعلق از علائق دنیا باید بود ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

ترجمہ ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ بخدمت بابرکت حمید الاخلاق وحید الآفاق مولوی شیخ محمد صاحب ۔ ہدیہ سلام مسنون کے ابلاغ کے بعد گذارش یہ ہے کہ جس دن سے میں یہاں پہنچا ہوں ان صاحب کا حال معلوم نہیں ہوا کہ آں صاحب کے اور حافظ ضامن علی صاحب کے درمیان میرے بعد کس طرح اتفاق ہوا اور کیسے ہوا ۔ اگر بمقتضائے مکارم اخلاق اس کے حال سے من و عن اطلاع دیں تو مہربانی قدیمہ سے بعید نہ ہوگا ۔ دیگر یہ کہ جب سے میں یہاں پہنچا تو ان صاحب کے خواب کی تعبیر عالم غیب سے اس طرح میرے

دل میں القا ہوئی کہ دنیا نیکوں کے حق میں پاخانہ ہے۔ پس اشارہ یہ ہے کہ اس پر ٹھوکر مارنی چاہیئے۔ اور کپڑوں کے آلودہ ہونے سے مراد دل کے ٹکڑے ہیں یعنی دل کو اللہ تعالیٰ کی محبت کے سوا سب سے پاک رکھنا چاہیئے۔ اور ان تینوں آدمیوں کے پیش آنے سے مراد یہ ہے کہ ان کی طرح دنیا کے تعلق سے بے تعلق رہنا چاہیئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مکتوب چہارم مکتوب دیگر از حضور مکتوب الیہ مذکور اعنی فقیر واخی فی اللہ حضرت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بگرامی خدمت فضیلت وسعادت منزلت مولانا مولوی شیخ محمد صاحب و برادر عزیز محب الفقراء میاں محمد ضامن صاحب و میاں امداد اللہ صاحب بعد تبلیغ ہدیہ سلام مسنون و دعائے خیریت و عافیت مقرون مبرہن آنکہ در کتب قدیمہ وارد ست کہ تخلقوا باخلاق اللہ و نیز در تنزیل حمید خود می فرماید حضرت جل جلالہ وعم نوالہ می فرماید:۔

اَلْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ؕ

حاصل ایں تحریر آنکہ عزیز مولا بخش از قصورات معدودہ خود مجتنب بودہ بذریعہ خط داعی بخدمت آں عزیزان می رسد باید کہ عذرش قرین اجابت فرمودہ ہمچو سابق داخل محفل متبرکہ خود نمودہ دست شفقت والطاف برسرش گذارند تاکہ مشکور بودہ شکر گذاری آں عزیزان پیش داعی بیان نماید والسلام۔ بخدمت حافظ وجیہ الدین و مانی شاہ درویش و دیگر مصلیان

مسجد سلام مسنون رسانند

ترجمہ۔ حضور پر نور کا مکتوب دیگر مکتوب الیہ مذکور اور میرے عنایت فرما و برادر دینی حافظ محمد ضامن صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ کے لئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ فضیلت و سعادت منزلت مولانا شیخ محمد صاحب و برادر عزیز محب الفقرا حافظ محمد ضامن علی صاحب و میاں امداد اللہ کی خدمت گرامی میں ہدیہ سلام مسنون کے ابلاغ اور دعائے خیر و عافیت مقرون کے بعد واضح ہو کہ کتب قدیمہ میں وارد ہے کہ اخلاق پیدا کرو۔ اللہ تعالیٰ کے اخلاق کی طرح۔ نیز اللہ تعالیٰ اپنی تنزیل حمید (قرآن پاک) میں فرماتا ہے۔ کہ آپ غصہ کو پی جانے والے ہیں اور انسانوں کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ تعالےٰ احسان کرنے والوں کو درست رکھتا ہے۔ اس تحریر کا حاصل یہ ہے کہ عزیز مولا بخش اپنے مقصد ورد قصورات سے مجتنب ہو کر میرا خط لے کر آپ عزیزوں کی خدمت میں پہنچ رہا ہے۔ چاہیئے کہ اس کا عذر قبول فرما کر حسب سابق اسے اپنی محفل متبرکہ میں داخل کریں اور شفقت و مہربانی کا ہاتھ اس کے سر پر رکھیں تاکہ متشکور ہو کر ان عزیزوں کی شکر گذاری میرے سامنے بیان کرے۔ اور سلام۔ حافظ وحید الدین اور مانی شاہ درویش اور دوسرے مصلیان مسجد کی خدمت میں میرا سلام مسنون پہنچا دیں۔

حاشیہ۔ یہ خط پیر جی محمد صادق والا واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ حضرت کی

طبیعت میں کس قدر عفو و درگذر اور رحم و کرم تھا۔

مکتوب پنجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بگرامی خدمت فضیلت مآب مولانا مولوی شیخ محمد صاحب زاد اللہ ذوقہٗ و شوقہٗ۔ السلام علیکم و علیٰ من اتبع الہدیٰ گلشن شباب آں فضیلت مآب مولانا بآب یاریٔ طاعاتِ ایزد وہاب منضر باد۔ عندلیبِ دل داعی ہر چند کہ باشواق گل ملاق مترنم و مشتاق اما استحصالش منحصر باوقات معہود گذاشتہ شاہد مدعاست کہ بزبانِ نہاں کہ سقائے سحاب افسردگانِ سموم و ہموم سطح خاک راآب ریزی و ترشح مطرِ علی التواتر رحمت حیاتِ تازہ بخشید و سکانِ انہار و حیاض ازپس طرب انگیزی امواجِ میاہ چوں صوفیانِ شب گذار حلقۂ عبودیت بستہ باذکار گوناگوں معبودِ حقیقی پرداختہ و مُغنیانِ گران ریاض بجلوہ گری عروسانِ بہار بسان قوالانِ محافل بزمِ خرمی کشیدہ نغماتِ دل فریبی رنگ رنگ در ساختہ ؎

نبات از گوشۂ خود سر بر آورد

بیادِ حمدِ ایزد بار برخورد

زہے موسم کہ در ہر کشت زارے شدہ آب رواں چوں نوبہارے

بمشاہدہ سبزانِ منبسط مضمون نامہ مسرت مشحون کہ ریحانِ الفاظش از حسن و خوبی و انبساط بگرد ار نونہالانِ بوستان درہم می نازیدند۔ چشمِ دل طراوۃ تر و تازہ و نضارتے بے اندازہ پذیرفت ؎

صبا رسید و دلم غنچہ خنداں شد
شمیمِ لطفش درمانِ دردمنداں شد

اگرچہ پیمانۂ خاطر بباده مکالمات ارتیاح آیاتش مالامال شادمانی و کامرانی گردید فاما عارض حال بدون نوازش قانون خوش آئندہ بکلمات ظاہریہ کہ منشئ جان است اطمینانِ کلی نیافتہ با متعال جامع المتفرقین خضروائے متمنیان زلال وصال چہریہ را بہتما، خود رساند۔ استعداد یکہ درباب عدم میسور مصافحہ و معانقہ جسمانیہ از ممر شدۃ حدت استیلاء اعلام اشتعالِ شمس نوکریۂ کالک سلک شدند۔ مولانا غور نمایند چند آنکہ پروانہ بے روانہ شوقِ دیدارِ شمع جمال می گردد از حرارتش نہ پرہیزد۔ ہنگامیکہ بلبل اشتیاقِ معاینۂ حسنِ دلنواز گلزار می شود از متاذی شدن خود نیندیشید پس در مقامے کہ منشا در یہ ہمچوں مخلوقات چنیں باشد چہ جائے بنی نوع انسان کہ خلقتش نو رجبہ محبت داد و نشو و نما یافتہ بالجملہ درہمہ امور مشارع تانس و تاسف درکار ہست زیادہ ازیں ابرام نرفت و رسالۂ گل لالہ مصنفہ آں مجمع کمالات عارف معارف ربانیہ و محقق حقائق و بنابغ

را کہ مسماۃ بہ تنقیۃ الاعتقاد لتصفیۃ الفواد من الکفر والارتداد درفن تصوف
است پس کمال شمائم خوش شارو زیکہ عیون مشتاقان جمالش بکحل الجواہر
مطالعہ اش منور شوند و ماورا۔ ازیں مہربان مخلص دلی حافظ جیو صاحب
حافظ ضامن علی را بجائے یال گو پال خود تصور دیدہ بر حال شان نظر تفقد
والطاف دارند اگر احیاناً بہ بمقتضائے بشریت قصورے سر زند بجز
عفو و اعطاف منقوش بوجہ ضمیر نگردد و کدورت قلبیہ مکارہات جسمیہ
را بادراد و اشغال مفوضہ و بصیقل توجہ پاک و صاف نمودہ محل نزول
مہمانِ غیبی نماید ؎

دلت چو غنچہ بذکرش شگفتہ سر بادا
لبش بہ شبنمِ یادش چو برگ تر بادا
مشامِ جان تو از کوئے او شمیمی یابد
وجودِ نخل ز عشقش تو بارور بادا

زیادہ شوق ست وبس۔ بخدمت حافظ جیو صاحب وحافظ امداد اللہ
صاحب وحافظ رفیع الدین صاحب۔ وجمیع مقیمان حریم مسجد و مصلیانش
سلام مسنون الاسلام رسانند و از حاضر الوقت خاکسار بندہ حافظ محمود
نانوتوی عفی اللہ عنہ بخدمت جناب مولوی صاحب وحافظ محمد ضامن صاحب
وحافظ امداد اللہ صاحب بصد نیاز و انکسار آداب تسلیمات قبول باد۔

ترجمہ

مولانا مولوی شیخ محمد صاحب فضیلت مآب (فضیلت کا مرجع)
کی خدمتِ گرامی میں اللہ تعالےٰ ان کے شوق و ذوق کو جو معرفتِ
خداوندی میں ہے زیادہ کرے۔ سلام ہو آپ پر اور جو شخص ہدایت کی
اختیار کیے اس فضیلت مآب مولانا کے شباب و نوجوانی کی پھلواری بخشش
کرنے والے خدا تعالیٰ کی طاعات کی بارش سے سرسبز ہو جیو۔ داعی کے
دل کا بلبل ہر طرح سے ملاقات کے پھول کے شوقوں کے ساتھ گلنے والی
اور مشتاق ہے۔ لیکن ملاقات کے حصول کو اوقاتِ معینہ کے ساتھ منحصر
سمجھ کر اپنے اصلی مقصد کو ظاہر کرنے والا ہے۔ ایسے وقت میں کہ بادل کے
سقّہ نے دنیا کے غموں کی لو میں کملائے ہوؤں کو لگاتار بارش اور ترشح
سے حیات تازہ بخشی اور نہروں اور حوضوں کے رہنے والوں کو پانیوں
کی موجوں کی خوشی سے مثل شب بیدار صوفیوں کے جو حلقہ عبادت
ڈال کر معبودِ حقیقی کے قسم قسم کے اذکار میں مشغول ہیں اور باغوں میں
گانے والیوں کو بہار کی دھنوں کی جلوہ گری سے خوشی کی محفل کے قوالوں
کی طرح کھینچ کر طرح طرح کے نغموں کے ساتھ مشغول کیا ہے۔ پودوں نے
اپنے گوشوں سے سر نکالا ہے اور باری تعالےٰ کے نقش و نگار کی حمد کی یاد
میں کھیں کھایا۔ عجب موسم ہے کہ ہر کھیت میں پانی جاری ہوا ہے مثل نئی

بہار کے ایسے وقت میں انبساط پیدا کرنے والے مضمون کے عمدہ الفاظ اور معانی سے خوشی سے ملے ہوئے نامہ سے اس کے الفاظ کے پھول خوبی اور خوشی اور حسن سے چمن کے نئے اُگے ہوئے پودوں کی طرح کہ آپس میں ناز کرتے تھے۔ دل کی آنکھ نے طراوت (تری) تروتازہ اور تازگی بے حساب حاصل کی۔ بادِ صبا پہنچی۔ میرے دل کا غنچہ کھلنے والا ہو گیا۔ اس کی مہربانی کی خوشبو دردمندوں کا علاج ہو گئی۔ اگرچہ دل کا پیمانہ اس کی خوشی کی نشانیوں والی گفتگو کی شراب سے مالا مال ہوا۔ لیکن حال کا رخسارہ بغیرِ نوازش اس عمدہ قانون کے جو آنے والا ہے یعنی ظاہری گفتگو کے جو جان کو پیدا کرنے والی ہے اطمینان پورا نہیں پایا۔ اللہ تعالیٰ خضر علیہ السلام کی طرح وصال کے چہرہ کے خالص پانیوں کی تمنا کرنے والے چہروں کو تمنا پر پہنچائے۔ جو دو جدا شدہ آدمیوں کو جمع کرنے والی ہے۔ وہ استعداد و شوق جو جسمانی معانقہ و مصافحہ میسر نہ ہونے کی وجہ میں غلبہ کی شدت اور تیزی کے گذرنے سے ظاہر کرنے والی اُن سورج کی شعاعوں کی ہوئی ہے جو قلم کی نوک میں آکر منسلکِ تحریر ہوئی ہیں۔ مولانا ذرا غور فرمایئے جیسے پروانہ پریشان دیدارِ جمالِ شمع کے شوق کا پھرتا ہے۔ اور شمع کی گرمی سے نہیں ڈرتا۔ اس وقت میں کہ شوق کی بلبل چمن کے دل بہلانے والے حسن کا معائنہ کرنے والی ہوتی

ہے اپنی تکلیف سے نہیں ڈرتی۔ پس اس مقام میں کہ طریقہ وعادت مثل ایسی مخلوقات کے ایسا ہو چہ جائیکہ نوعِ انسان کی اولاد کہ اس کی پیدائش کے شگوفہ نے محبت و دوستی کے دانہ سے نشو و نما پائی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ تمام کاموں میں غمخواری اور محبت کی ضرورت ہے اس سے زیادہ ملول کرنا پسند نہیں کیا (اس سے زیادہ لکھنا مناسب نہیں سمجھا۔) رسالہ گل لالہ تصنیف کردہ اس مجموعۂ کمالات کا یعنی مکتوب الیہ کا تصنیف کردہ جو معارفِ ربانیہ کا پہچاننے والا ہے اور تحقیق کرنے والا ہے ان حقائق کو جو اللہ تعالے کی طرف سے عطا کئے جاتے ہیں جس کا نام تنقیۃ الاعتقاد لتصفیۃ الفواد من الکفر والارتداد فنِ تصوف میں ہے پس بہت ہی مشتاق ہوں میں کیا ہی اچھا وہ روز ہے کہ اس کے جمال کی مشتاقوں کی آنکھیں اس کے مطالعہ کے عمدہ ترین سرمہ سے روشن ہوں۔ اس کے علاوہ مہربان مخلص دل حافظ جیو صاحب اور حافظ ضامن علی کو بجائے پال و گوپال کے (دیگر سمجھ کر) اپنے تصور و خیال میں رکھ کر ان کی حالت پر نظر شفقت و مہربانی رکھیں۔ اگر اتفاقاً بشریت کے تقاضے سے کوئی لغزش ان سے ظاہر ہو تو سوائے معافی اور مہربانی کے دل کے چہرہ پر کوئی نقش نہ ہو اور دلی کدورت اور جسمانی رنجش کو ان وظیفوں اور شغلوں سے جو آپ کو بتلائے گئے ہیں توجہ کی قلعی سے پاک و صاف کر کے غیبی مہمانوں کے اترنے کی جگہ بنادیں۔ یعنی دل کو صاف رکھیں ؎ نیزادل مثل کلی کے

اس کے ذکر کے ساتھ کھلا ہوا ہو جیو۔ تیری جان کا دماغ اس کے کوچے سے خوشبو پاوے۔ تیرا وجودِ نخل (مراد بدن) اس کے عشق سے پھلدار ہو جیو۔ زیادہ تو شوق ہے اور بس۔ حافظ جیو صاحب اور حافظ امداد اللہ صاحب اور حافظ رفیع الدین صاحب اور تمام مسجد کے ارد گرد رہنے والوں اور اس کے نمازیوں کو سلام جو اسلام میں مسنون ہے۔ پہنچا دیں۔ اس وقت کے حاضرین میں سے خاکسار بندہ حافظ محمود نانوتوی معاف کرے اللہ اس سے۔ خدمت میں مولوی صاحب اور حافظ محمد ضامن صاحب اور حافظ امداد اللہ صاحب کو نیاز و انکسار کے ساتھ سلام و آداب قبول ہو۔ فقط۔

ہم اس مقدس تذکرہ کو اس دعا پر ختم کرتے ہیں

اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی وَاجْعَلْ اٰخِرَتَنَا خَیْرًا مِّنَ الْاُوْلٰی وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط

مورخہ ۱۹ ر جنوری ۱۹۵۶ء مطابق ۵ رجمادی الآخر ۱۳۷۵ ہجری بروز جمعرات

تمت ——— بالخیر

خادم نسیم احمد علوی بانی و مہتمم مدرسہ نور محمدیہ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر یو۔ پی

مژدۂ رُوح نواز

ہم اپنے قارئین کو احساس شادمانی کے ساتھ یہ اطلاع دیتے ہیں کہ اس سال (۱۹۵۶ء) حسب وعدہ اسلامی زندگی و دوامی جنتری کے ساتھ ہم حضرت میانجیو نور محمدؒ علویؒ جھنجھانوی کی مختصر سوانح حیات اور کوائف و کرامات بھی شائع کر رہے ہیں۔ حضرت کے یہ حالات اور کرامات مصدقہ روایات و معتبر حکایات پر مشتمل ہیں اور شمائم امدادیہ و ملفوظات حکیم الامۃ و تذکرۃ الرشید و نقش حیات وغیرہ کتابیں اس کی ماخذات ہیں۔ آج چونکہ اس زمانہ کی ناقدر شناسی اور نامساعدت وقت کے ہاتھوں یہ کتابیں بھی نایاب و ناپید ہوئی جا رہی ہیں اس لئے اس کتاب کے مقصد تالیف کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے علاوہ ازیں حضرت میانجیو صاحب رح کی نورانی زندگی کے یہ اوراق صرف ایک مقدس ترکہ اور تبرک ہی نہیں ہیں کہ جن کی حفاظت ضروری ہو بلکہ ایمانی کمزوری اور اسلامی انحطاط کے اس نازک دور میں انکی اشاعت ایمان کے استحکام اور ارواح میں نئی تازگی اور روشنی پیدا کرنے کے لئے ازبس ضروری ہے اسی کے ساتھ ہم اپنے قارئین سے دردمندانہ اپیل کرتے ہیں کہ وہ مدرسہ نور محمدیہ کی ہمیشہ مدد فرماویں تاکہ وہ دینی تعلیم کے ساتھ اسلامی لٹریچر شائع کرنے کے مفید پروگرام کو جاری رکھ سکے۔ قیمت آٹھ آنہ ۔ مجلد دس آنہ ۔ چار جلدیں منگانے پر نصف ڈاک خرچ معاف اور آٹھ جلدیں منگانے پر پورا ڈاک خرچ معاف۔

نسیم احمد علوی بانی و مہتمم مدرسہ نور محمدیہ قصبہ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر (یو۔پی)

ضروری اعلان

(۱) ہمارے کتبات جو مساجد کی زینت کے لئے ہیں جن کی تعداد (۱۶) ہے اور چہل حدیث وڈاڑھی کا فلسفہ عقل اور مذہب کی روشنی میں اور الاذان صرف ۶ر کے ٹکٹ بھیجکر مفت طلب کیجئے۔

(۲) اسلامی زندگی مع اسلامی دوامی جنتری صرف ۸ر کے ٹکٹ بھیجکر مفت طلب کریں

(۳) نورِ محمدی جو حضرت میاں جیو نور محمد رح علوی جھنجھانوی کے مقدس حالات و کرامات پر مشتمل ہے ۱۲ر کے ٹکٹ بھیجکر مفت طلب فرمائیں۔

(۴) ہمارے کتبات اور کتابوں کا مکمل سیٹ ۱۳ر کا منی آرڈر بھیج کر مفت طلب فرمایئے۔ اگر احتیاطاً رجسٹرڈ پیکٹ سے منگانا چاہیں تو یہ خرچ عہ ر کے علاوہ منگانے والے کے ذمہ ہوگا۔

(۵) ہر خط میں اپنا پتہ۔ مقام۔ ڈاکخانہ۔ ضلع۔ ریلوے اسٹیشن خوش خط لکھئے۔

(۶) پوسٹ ضلع و اسٹیشن کا نام انگریزی میں براہ کرم صاف اور خوشخط ہونا چاہیے

(۷) زکوٰۃ۔ صدقات۔ چرم قربانی و دیگر عطیات دینے وقت مدرسہ نور محمدیہ قصبہ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر کو فراموش نہ کیجئے۔

نسیم احمد علوی۔ بانی و مہتمم مدرسہ نور محمدیہ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر۔ یو۔ پی

اہم اعلان

کتاب نور محمدی کے اختتام پر آپ کو ہمارا یہ اشتہار پڑھ کر خوشی ہوگی کہ ہم اس کتاب کے ساتھ اسلامی زندگی و اسلامی دوامی جنتری بھی شائع کر رہے ہیں۔ یہ تحقیق و تدقیق کے ساتھ مرتب کی ہوئی ایک تقویم ہی نہیں ہے بلکہ آداب معاشرت کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر ایک مفید کتابچہ بھی ہے۔ جو جنتری کے ابتدائی صفحات پر دیا جا رہا ہے۔ نیز ہم اس میں جنتری کے متوازی کالموں بہت سی ایسی دعاہائے جمیلہ لکھ رہے ہیں جو اکثر احادیث صحیحہ سے مروی ہیں۔ حواشی میں بعض معاملات و معمولات کے بارے میں بہت سی احادیث بھی پیش کر رہے ہیں۔ اسی کے ساتھ نماز جنازہ وغیرہ بھی شامل کی جا رہی ہیں۔ ان باتوں کی وجہ سے اس تقویم کی اہمیت بیحد بڑھ جاتی ہے۔ ویسے بھی اس شکل میں یہ ایک نئی کوشش ہے۔ اور اسلامی ادبیات میں ایک نیا اضافہ ہے۔ ہم ہر سال مدرسہ نور محمدیہ کی جانب سے اہل اسلام کی خدمت میں مفید لٹریچر پیش کرتے ہیں ہمیں امید ہے کہ صاحب خیر حضرات اس کار خیر و برکت میں جو کہ آج کے بحرانی زمانہ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس لئے مدرسہ کی بیش از بیش مالی امداد و اعانت فرما کر ہمیں دین اسلام کی اس ضروری و اہم خدمت کا زیادہ سے زیادہ موقع دیں گے۔ وَمَا علینا الا البلاغ۔

نسیم احمد علوی بانی و مہتمم مدرسہ نور محمدیہ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر۔ (یو پی)